نومبر ۱۹۹۹ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

ڈاکٹر اسرار احمد

جہاد فی سبیل اللّٰہ

اصل حقیقت، اہمیت و لزوم اور مراحل و مدارج

ڈاکٹر اسرار احمد

ملتزم رفقاءِ تنظیم توجہ فرمائیں !

تنظیم اسلامی کے آل پاکستان تربیتی و مشاورتی اجتماع برائے ملتزم رفقاء کی منسوخی کے بعد اس کے قائم مقام کے طور پر' ان شاء اللہ العزیز

21 تا 23 نومبر 99ء' قرآن آڈیٹوریم لاہور میں

تنظیم اسلامی کی مرکزی مجلس مشاورت کا توسیعی اجلاس

منعقد ہو گا ـــــ جس میں

☆ ارکان شوریٰ کے ساتھ ساتھ وہ ملتزم رفقاء بھی شریک ہو سکیں گے جو امیر تنظیم کے خط (شائع شدہ "ندائے خلافت" شمارہ 39) کے حوالے سے اظہار خیال کا ارادہ رکھتے ہوں۔ تاہم ایسے ملتزم رفقاء کے لئے ضروری ہو گا کہ وہ 13 نومبر تک اپنی شرکت کی اطلاع براہ راست تنظیم کے مرکزی دفتر کو ارسال کریں۔ تاکہ ان کے قیام و طعام کا انتظام کیا جا سکے۔

☆ 13 نومبر تک جن ملتزم رفقاء کی جانب سے ارادۂ شرکت کی اطلاع موصول نہیں ہو گی وہ اس خصوصی مشاورتی اجتماع میں شرکت کے اہل نہیں ہوں گے۔ شرکت کے خواہش مند رفقاء سے درخواست ہے کہ وہ اپنے نام' ولدیت اور رجسٹریشن نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

☆ مزید برآں اس اجتماع میں آل پاکستان سطح پر مقامی تنظیم کے تمام امراء کی شرکت بھی لازم ہو گی۔

☆ اجتماع کا آغاز 21 نومبر کو نماز عصر کے متصلاً بعد اور اختتام 23 نومبر نماز ظہر پر ہو گا۔ ان شاء اللہ

☆ مرکزی شوریٰ کا اجلاس چونکہ 24 نومبر تک جاری رہنے کی توقع ہے' لہٰذا ارکان شوریٰ ایک دن اضافی لے کر آئیں۔

المعلن: ڈاکٹر عبدالخالق' ناظم اعلیٰ تنظیم اسلامی پاکستان

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

4116136

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

جلد : ۴۸
شمارہ : ۱۱
رجب/شعبان ۱۴۲۰ھ
نومبر ۱۹۹۹ء
فی شمارہ -/۱۰
سالانہ زر تعاون -/۱۰۰

سالانہ زر تعاون برائے بیرونی ممالک

- امریکہ 'کینیڈا' آسٹریلیا' نیوزی لینڈ — 22 ڈالر (800 روپے)
- سعودی عرب 'کویت' بحرین' قطر — 17 ڈالر (600 روپے)
  عرب امارات' بھارت' بنگلہ دیش' افریقہ' ایشیا
  یورپ' جاپان
- ایران' ترکی' اومان' مسقط' عراق — 10 ڈالر (400 روپے)
  الجزائر' مصر'

ترسیل زر : مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

ادارۂ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت : 36۔کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور 54700۔فون : 03-02-5869501

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی : 67۔گڑھی شاہو' علامہ اقبال روڈ' لاہور' فون : 6305110

پبلشر : ناظم مکتبہ مرکزی انجمن' طابع : رشید احمد چودھری' مطبع : مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

☆ **عرض احوال** _____ ۳
حافظ عاکف سعید

☆ **تذکرہ و تبصرہ** _____ ۵
جنرل پرویز مشرف کے نام امیر تنظیم اسلامی کا پیغام
ڈاکٹر اسرار احمد

☆ **ظروف و احوال** _____ ۸
ملکی و ملی مسائل پر امیر تنظیم اسلامی کا اظہارِ رائے

☆ **خطاب عام** _____ ۹
جہاد فی سبیل اللہ
اصل حقیقت' فرضیت ولزوم اور مراحل و مدارج
ڈاکٹر اسرار احمد

☆ **مسلمان کا طرز حیات** [۱] _____ ۶۵
کتاب العقائد (اللہ تعالیٰ پر ایمان)
علامہ ابو بکر الجزائری

☆ **فکر عجم** [۲۲] _____ ۷۱
ایران میں افکارِ اقبال کا اثر
ڈاکٹر ابو معاذ

☆ آنے والے دور کے بارے میں پیشین گوئیاں .... _____ ۸۰
محمد عبدالمجید صدیقی کے نام ڈاکٹر اسرار احمد کا مکتوب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ احوال

۱۲/ اکتوبر ۹۹ء کا دن اس اعتبار سے یاد رکھا جائے گا کہ اس میں ملکی اور ریاستی سطح پر پے بہ پے کئی بڑی تبدیلیاں اچانک غیر متوقع طور پر عمل میں آئیں۔ وزیر اعظم پاکستان کی جانب سے چیف آف آرمی سٹاف جنرل پرویز مشرف کی اچانک معزولی کا حکم ان کے اپنے اقتدار کے زوال کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ جنرل پرویز مشرف کو برطرف کرنے اور انہیں منظر سے ہٹانے کے لئے جو سازشی پلان تیار کیا گیا وہ اتنا بھونڈا اور شرمناک تھا کہ اس کی مذمت کے لئے الفاظ تلاش کرنا دشوار ہے۔ بہرکیف میاں نواز شریف کی وہ سازش اور چال الٹی انہی پر جا پڑی اور وہ اقتدار کے تخت طاؤس سے یکلخت اسارت کے قعرِ مذلت میں جا گرے۔ حسرت اس بات پر ہے کہ وہ اپنے دوسرے دورِ اقتدار میں بھی اسلام کے قیام کی جانب پیش رفت میں قطعی ناکام رہے اور اس پہلو سے محرومی اور بدبختی کو انہوں نے اپنا مقدر بنالیا۔

یہ تمام واقعات اتنے غیر متوقع تھے اور اس تیز رفتاری کے ساتھ وقوع پذیر ہوئے کہ فوری طور پر تبدیل شدہ صورتحال کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنا دشوار تھا۔ اتنی بات ضرور سمجھ میں آتی ہے کہ شاید یہ سب کچھ پاکستان کی معجزانہ حفاظت کی خدائی تدبیر کا حصّہ ہے کہ اس طرح اللہ نے کچھ عرصے کے لئے نہ صرف یہ کہ پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی مزید حفاظت کا سامان کر دیا جو نواز گروپ کے ہاتھوں شدید طور پر معرضِ خطر میں تھا اور طالبان کی اسلامی حکومت پر کریک ڈاؤن کے ناپاک امریکی منصوبے کو ناکام بنا دیا جس میں نواز حکومت امریکہ کی آلہ کار کا کردار ادا کر رہی تھی۔ اور یقیناً یہ معاملہ بھی پاکستان کی بقاء و استحکام کے اعتبار سے دُور رس نتائج کا حامل ہے۔ بہرکیف وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ صورتحال مزید واضح ہوگی۔

جنرل پرویز مشرف کی جانب سے سات نکاتی ایجنڈا سامنے آنے کے بعد امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے پاکستان اور اس کے مستقبل کے حوالے سے اپنے مستقل موقف پر مبنی جو پیغام جنرل پرویز مشرف کو ارسال کیا ہے اسے صفحاتِ آئندہ

میں قارئین کی نذر کیا جا رہا ہے۔ مزید برآں ملکی حالات پر تبصرہ پر مشتمل تازہ ترین خطابِ جمعہ کا پریس ریلیز بھی شاملِ اشاعت کر دیا گیا ہے۔

☆ ☆ ☆

تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماع (برائے ملتزم رفقاء) کی منسوخی کی اطلاع تو رفقاء و احباب تک یقیناً پہنچ چکی ہو گی۔ نواز حکومت کی اچانک معزولی اور فوجی حکومت کے قیام پر ملک میں ایمرجنسی کا نفاذ بعض دیگر پہلوؤں سے تو خوش آئند ہو سکتا ہے لیکن اس کا یہ نتیجہ کم از کم ہمارے نقطۂ نگاہ سے خوشگوار نہیں ہے کہ لاہور میں دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ اور جلسے جلوسوں کے علاوہ ہر نوع کے اجتماعات پر پابندی کے نتیجے میں ہمیں اپنا سالانہ اجتماع منسوخ کرنا پڑا۔ بہرکیف ماشاء اللّٰہ کان و مالم یشالم یکن

سالانہ اجتماع کے قائم مقام کے طور پر ۲۱ تا ۲۳ نومبر تنظیم اسلامی کی مرکزی شوریٰ کے ایک توسیعی اجلاس کا فیصلہ کیا گیا ہے' تاکہ تنظیم کے وہ رفقاء جو امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے مراسلے (شائع شدہ "ندائے خلافت" شمارہ ۳۹) کے حوالے سے تنظیم کی ۲۵ سالہ تاریخ کے حوالے سے اظہار خیال کرنا چاہتے ہوں ان کو مرکزی شوریٰ کے اجلاس میں اظہار خیال کا موقع دیا جائے گا' تاکہ آئندہ کے نقشہ کار کے ضمن میں ان کی آراء اور مشوروں سے استفادہ کیا جا سکے۔

امیر تنظیم اسلامی **ڈاکٹر اسرار احمد** مدظلہ کی تالیف

ایجاد و ابداعِ عالم سے عالمی نظامِ خلافت تک

تنزل اور اِرتقاء کے مراحل

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

قرآن اکیڈمی '36۔ کے 'ماڈل ٹاؤن لاہور فون : 3-5869501 فیکس : 5834000

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے چیف ایگزیکٹو
جنرل پرویز مشرف کے نام امیر تنظیم اسلامی کا پیغام
جو فرمانِ نبوی ﷺ "اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ" کی تعمیل میں تحریر کیا گیا

محترم جنرل پرویز مشرف صاحب'
چیف ایگزیکٹو' جمہوریہ اسلامیہ پاکستان'

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

دیگر مثبت یا منفی پہلوؤں سے قطع نظر' **افواج پاکستان** کے 12/ اکتوبر کے **اقدام** کا یہ پہلو بہت تابناک ہے کہ انہوں نے **امریکی دھمکی** کو نظرانداز کر کے پاکستان کے اس **قومی وقار اور مورال** کو از سرنو بحال کر دیا ہے جو سانحۂ کارگل کے نتیجے میں واقعتاً پاتال میں جا گرا تھا! اور آئندہ بھی امید ہے کہ آپ کی قیادت میں افواج پاکستان کسی بھی بیرونی دباؤ' بالخصوص یہودیوں کی آلۂ کار حکومتوں اور اداروں کے پریشر کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید پر بھروسہ کرتے ہوئے ملک و ملت کے بہترین مفادات کی تکمیل کے لئے کوشاں رہیں گی۔

جناب چیف ایگزیکٹو! ـــــ آپ کا سات نکاتی ایجنڈا حرف بحرف درست ہے لیکن اس حقیقت کو ہرگز نظرانداز نہ کریں کہ ہماری زبوں حالی کا اصل سبب اللہ کے ساتھ کئے ہوئے وعدے کی خلاف ورزی ہے۔ 45 تا 47ء برعظیم پاک و ہند کے طول و عرض میں بسنے والے مسلمانوں نے اللہ سے گڑگڑا گڑگڑا کر دعائیں کی تھیں کہ اے اللہ! ہمیں انگریز اور ہندو کی غلامی سے نجات دے تاکہ ہم تیرے دین کا بول بالا کر سکیں ـــــ چنانچہ مصور و مفکر پاکستان علامہ اقبال نے بھی فرمایا تھا کہ "ہمیں ایک موقع مل جائے گا کہ اسلام کی تعلیمات پر جو پردے عرب امپیریلزم کے دور میں پڑ گئے تھے انہیں ہٹا کر اصل اسلام (گویا

خلافت راشدہ کے نظام) کا ایک نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر سکیں!" اور مؤسس پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے بھی فرمایا تھا کہ ہمیں پاکستان اس لئے چاہئے کہ عہد حاضر میں اسلام کے اصول حریت واخوت ومساوات کا ایک عملی نمونہ پیش کر سکیں!" ـــــ لیکن پاکستان کی 52 سالہ تاریخ گواہ ہے کہ ہم نے اس عہد کی خلاف ورزی کی۔ نتیجتاً اللہ کے عذاب کا ایک کوڑا تو ہم پر سقوط مشرقی پاکستان کی صورت میں پڑا ـــــ اور اس وعدہ خلافی کی دوسری سزا سورۂ توبہ کی آیات 75 تا 77 کے مطابق یہ ملی کہ ہم پر قومی اعتبار سے نفاق کا مرض مسلط کر دیا گیا ـــــ جس کا ایک مظہر تو "نفاقِ باہمی" ہے یعنی قوم صوبائی' نسلی' لسانی اور فرقہ وارانہ عصبیتوں کا شکار ہو گئی ہے' ـــــ اور دوسرا مظہر وہ "نفاقِ عملی" ہے جس نے حدیث نبویؐ کے مطابق جھوٹ' وعدہ خلافی' خیانت اور غبن کی مہلک اخلاقی بیماریوں کی وبائی صورت اختیار کر لی ہے۔ اور حکمت کا تقاضا ہے کہ ہم صرف ان علامتوں (symptoms) ہی سے نہ نبٹتے رہیں بلکہ اصل مرض کا ازالہ کریں اور اپنی بھولی ہوئی منزل کی جانب رجوع کریں!

چنانچہ ـــــ **اسلام کے عدل اجتماعی** کے نفاذ کے لئے لازمی ہے کہ :

(1) جاگیرداری اور غیر حاضر زمینداری کا خاتمہ اور

(2) کم از کم اندرون ملک فوراً سود اور جوئے کا استیصال کر دیا جائے۔

اور ـــــ **قوانین شریعت** کے نفاذ کے لئے ضروری ہے کہ

(1) وفاقی شرعی عدالت کے حدود کار پر عائد جملہ تحدیدات فی الفور ختم کر دی جائیں اور

(2) اس کے جج صاحبان کی تعداد بھی بڑھائی جائے اور ان کا رتبہ بھی عدالت ہائے عالیہ کے ججوں کے مساوی کیا جائے!

نیز

(1) مسئلہ کشمیر کے حل کے ضمن میں تمام انحصار بھارت کے ساتھ براہ راست بات چیت پر کیا جائے اور امریکہ یا یو این او کی جانب سے نگاہیں ہٹالی جائیں ـــــ

(2) افغانستان کی طالبان حکومت کے ساتھ مکمل یکجہتی کا مظاہرہ کیا جائے اور اس کے

خلاف کسی شیطانی سازش کی حوصلہ افزائی نہ کی جائے!

(3) اپنی ساری اقتصادی تگ و دو عالمی مالیاتی اداروں کی قسطیں ادا کرنے کی فکر ہی کے گرد نہ مرکوز کر دی جائے —— بلکہ مطالبہ کیا جائے کہ ہمارے قومی قرضوں کی ادائیگی کی دوسری صورتوں مثلاً "Debt Equity Swap" کو اختیار کیا جائے —— بصورت دیگر DEFAULTER ہونے سے بھی گریز نہ کیا جائے!

(4) CTBT پر کسی صورت دستخط نہ کئے جائیں۔

مزید برآں' یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ عنقریب دنیا میں یہ ہولناک صورت پیدا ہونے والی ہے کہ پوری مغربی دنیا اسرائیل کی حفاظت کے لئے ملت اسلامیہ کے قلب یعنی عالم عرب پر ٹوٹ پڑے گی۔ (جس کا ریہرسل خلیج کی جنگ میں ہو چکا ہے) —— اور اس مرحلے پر احادیث نبویہؐ کی رو سے پاکستان اور افغانستان ہی عالم اسلام کا دفاع کریں گے۔ (چنانچہ یہی ہمارے "ایٹمی قوت" بنائے جانے کا اصل مقصد ہے!) کیا عجب کہ مشیت ایزدی اور تقدیر خداوندی نے اس مرحلے کی تیاری ہی کے لئے افواج پاکستان کو منظر عام پر لانے کا اہتمام کیا ہو۔ فقط! والسلام مع الاکرام!!

خاکسار

(ڈاکٹر) اسرار احمد

امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت پاکستان

بحمد اللہ' امیر تنظیم اسلامی **ڈاکٹر اسرار احمد** کے دروس و تقاریر پر مشتمل

تیسری CD بعنوان **اسلام اور خواتین** تیار کر لی گئی ہے

جس میں اہم معاشرتی موضوعات کے بارے میں قرآن و سنت کی راہنمائی پر مشتمل 15 تقاریر شامل ہیں

تیار کردہ: شعبہ سمع و بصر' مرکزی انجمن خدام القرآن' 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور

ظروف و احوال

ملکی و ملی مسائل پر امیر تنظیم اسلامی کا اظہارِ رائے

مسجد دارالسلام باغ جناح کے خطابِ جمعہ کا پریس ریلیز

۲۹ اکتوبر: پاکستان کی سیاست سے اگر میوزیکل چیئر کے کھیل کو ختم کرنا ہے تو جاگیرداری نظام کو ختم کرنا ہو گا۔ کیونکہ موجودہ جاگیردارانہ استحصالی نظام کے ہوتے ہوئے یہاں اسلام کے نظام عدل اجتماعی کے قیام کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اس وقت ایک حالت منتظرہ اور سسپنس کی کیفیت طاری ہے' چنانچہ عجیب صورتحال یہ ہے کہ دستور ہے بھی اور نہیں بھی۔ حالانکہ صدر تارڑ نے فرمایا ہے کہ بنیادی حقوق برقرار اور دستور موجود ہے' لیکن دوسری طرف قاضی حسین احمد پر سرحد میں داخلے پر پابندی ہے اور جمعیت اہلحدیث کے کارکن گرفتار کئے گئے ہیں۔ ان حالات میں بنیادی حقوق آخر کہاں ہیں؟ آزادی ہے تو کن کے لئے اور کتنی اور پابندی کس پر کتنی ہے' صورتحال کچھ واضح نہیں ہے۔

جہاں تک جنرل پرویز مشرف کی شخصیت کا تعلق ہے' بظاہر احوال یوں محسوس ہوتا ہے کہ انہیں پاکستان سے دلی محبت ہے۔ قائداعظم اور علامہ اقبال کے مزاروں پر حاضری دے کر انہوں نے گویا ان شخصیات سے اپنے تعلق کا اظہار کیا ہے۔ جنرل صاحب کی تقریر میں یہ الفاظ خوش آئند ہیں کہ اب ہمیں لازماً اپنے پیروں پر کھڑا ہونا ہے۔ جبکہ ان کی دوسری بات بھی کہ بے رحم احتساب ہو گا اور ڈنڈا چلے گا' ہر پاکستانی کے دل کی آواز ہے۔ کڑا احتساب ضرور ہونا چاہئے لیکن یہ احتساب غیر جانبدارانہ ہو۔ اگر وہ واقعتاً یہ دو کام یعنی جاگیرداری کا خاتمہ اور احتساب کرنے میں کامیاب ہو گئے تو تاریخ میں ان کا مقام ہو گا۔ کیونکہ ان اقدامات کے نتیجے میں ملک کی سیاست گندگی سے پاک اور مستحکم ہو جائے گی۔

ایک تشویشناک بات یہ ہے کہ چیف ایگزیکٹو نے ابھی تک بھولے سے بھی اسلام کا نام نہیں لیا حالانکہ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ پاکستان کا قیام' اس کا پس منظر اور تاریخ تو اسلام کے ساتھ وابستہ ہے ہی' اس کے استحکام اور وجود کے برقرار رہنے کی بنیاد بھی اسلام کے سوا کوئی نہیں۔ لہٰذا اسلام کو نظرانداز کر دینا تاریخ سے رشتہ توڑ دینے کے مترادف ہو گا اور جس قوم کا اپنی تاریخ سے ٹوٹ جائے تو وہ بے لنگر جہاز کی مانند ہوتی ہے۔ جنرل پرویز مشرف نے اپنے فوٹو سیشن سے پیغام دینے کی کوشش کی ہے کہ وہ سیکولر مزاج کے آدمی ہیں۔ اسی طرح کمال اتاترک کو محبوب رہنما بتایا ہے۔ یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ پاکستان میں اگر کہیں کمال اتاترک جیسا طرز عمل اختیار کیا گیا تو یہ ملک کے لئے بہتر نہیں ہو گا۔ تاہم سابقہ مارشل لاء کے مقابلے میں جو اسلام کے نام پر آیا اور گیارہ سال مسلط رہا' ان کا یہ طرز عمل اس اعتبار سے بہتر ہے کہ آدمی جو کچھ ہے اسے ظاہر کر دے تاکہ لوگ غلط توقعات وابستہ نہ کریں۔ ○○

جہاد فی سبیل اللہ

دین کی ایک اہم اصطلاح جہاد فی سبیل اللہ کی اصل حقیقت' اس کے مراحل و مدارج اور اس کی فرضیت و لزوم کے ضمن میں

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ

کا ایک جامع خطاب

(بمقام قرآن آڈیٹوریم' ۲۵ ستمبر ۹۹ء)

خطبہ مسنونہ کے بعد :

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم○

﴿ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ ﴾ (الحجرات : ۱۴)

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ○ ﴾ (الحجرات : ۱۵)

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ○ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○ ﴾ (الصف : ۱۰'۱۱)

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ○ ﴾ (الصف : ۴)

وَعَنِ الْحَارِثِ الْاَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((اِنِّيْ اٰمُرُكُمْ بِخَمْسٍ' اَللّٰهُ اَمَرَنِيْ بِهِنَّ : بِالْجَمَاعَةِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَالْهِجْرَةِ وَالْجِهَادِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ.

(رواہ الامام احمد و الامام الترمذی رحمہما اللہ)

وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : ((اَلْجِھَادُ مَاضٍ مُنْذُ بَعَثَنِیَ اللّٰہُ اِلٰی اَنْ یُّقَاتِلَ آخِرُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ الدَّجَّالَ)) (رواہ ابوداؤد)

ادعیہ ماثورہ کے بعد فرمایا :

معزز حاضرین و محترم خواتین! "جہاد فی سبیل اللہ" کے مرکزی عنوان کے تحت تین ذیلی عنوانات زیر گفتگو آئیں گے :

۱) جہاد فی سبیل اللہ کے ضمن میں خود اپنوں کو اور غیروں کو کیا مغالطے لاحق ہو گئے ہیں؟

۲) جہاد فی سبیل اللہ کی اصل حقیقت کیا ہے؟ اور اس کے مراحل اور لوازم کیا ہیں؟

۳) اس کی فرضیت اور لزوم کا کیا معاملہ ہے؟

جہاد فی سبیل اللہ کے ضمن میں مغالطے

ہمارے دین میں عام طور پر جو ترتیب ملتی ہے وہ پہلے نفی اور پھر اثبات ہے۔ چنانچہ کلمۂ طیبہ میں بھی پہلے نفی ہے، پھر اثبات ہے "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ"۔ اسی طرح آیت الکرسی کے بعد والی آیت میں الفاظ آئے ہیں :

﴿ فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰہِ ... ﴾ (البقرۃ : ۲۵۶)

"پھر جو کوئی طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لایا...."

اسی حوالے سے میں پہلے مغالطوں کے بارے میں گفتگو کروں گا کہ جہاد فی سبیل اللہ کے ضمن میں کونسے مغالطے ہیں جو اولاً خود مسلمانوں کو لاحق ہوئے، لیکن پھر ان پر دشمنانِ اسلام نے اسلام کی رسوائی اور بدنامی کی بنیاد کھڑی کر دی۔ ظاہر بات ہے کہ دشمنوں کا معاملہ تو فارسی کے اس شعر کے مصداق ہے ؎

نیشِ عقرب نہ از پئے کین است!
اقتضائے طبیعتش این است!

یعنی بچھو کا ڈنگ مارنا کسی کینے یا دشمنی کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ یہ اس کی طبیعت کا تقاضا

ہے۔ تو دشمنوں کی فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ اسلام پر حملے کریں۔ لیکن اگر ہم نے خود اس کے لئے بنیاد فراہم کر دی ہو تو پہلے ہمیں اپنے آپ کو ملامت کرنا چاہئے۔

① کیا "جہاد" اور "قتال" مترادف ہیں؟

جہاد فی سبیل اللہ کے ضمن میں سب سے بڑا مغالطہ' جو بہت عام ہے اور صرف عوام ہی میں نہیں' خواص یعنی علماء کو بھی لاحق ہے' یہ ہے کہ "جہاد" کے معنی "جنگ" کے ہیں۔ گویا کہ "جہاد" کو "قتال" کے مترادف یا ہم معنی قرار دے دیا گیا ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ لسانیات کا یہ بنیادی قاعدہ ہے کہ کسی بھی زبان کے دو الفاظ بالکل ایک مفہوم کے حامل نہیں ہوتے۔ اس سے آگے بڑھ کر بات یہ ہے کہ "جہاد فی سبیل اللہ" اور "قتال فی سبیل اللہ" قرآن مجید کی دو مستقل اِصطلاحیں ہیں' جو قرآن کریم میں متعدد بار استعمال ہوئی ہیں۔ مثلاً سورۃ الصّف چودہ آیات پر مشتمل ایک چھوٹی سی سورۃ ہے اور اس میں یہ دونوں اصطلاحات آئی ہیں۔ اس کی آیت نمبر ۴ میں "قتال فی سبیل اللہ" کی اصطلاح بایں طور آئی ہے :

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝ ﴾

"یقیناً اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں گویا کہ وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔"

آگے آیت نمبر ۱۱ میں فرمایا :

﴿ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ؕ ﴾

"ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے۔"

چنانچہ ان دونوں اصطلاحوں کو مترادف قرار دے دینا بہت بڑی غلطی ہے۔ یہ دونوں الفاظ بعض اوقات ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہو جاتے ہیں اور قرآن مجید میں بھی یہ اس طرح استعمال ہوئے ہیں' اس کی مثالیں آگے آئیں گی' لیکن یہ حقیقت نظرانداز نہیں کی جانی چاہئے کہ یہ دونوں قرآن کی مستقل اصطلاحات ہیں۔

قرآن حکیم کی بنیادی اصطلاحات میں سے دو دو اصطلاحات کے تین جوڑے ایسے ہیں کہ جن کے مابین خاص اور عام کا رشتہ ہے۔ مثلاً "مؤمن" اور "مسلم" بظاہر مترادف الفاظ ہیں کہ ایک ہی شخص کے لئے دونوں الفاظ کا استعمال ہو سکتا ہے' لیکن "مسلم" عام اصطلاح ہے اور "مؤمن" خاص۔ یعنی ہر "مؤمن" تو لازماً "مسلم" ہے' لیکن ہر مسلمان لازماً مؤمن نہیں ہے۔ چنانچہ آج جن آیات کے حوالے سے مجھے حقیقتِ جہاد اور اس کی فرضیت و لزوم کے ضمن میں گفتگو کرنی ہے ان میں وہ آیات آ جائیں گی جن میں ان دونوں اصطلاحوں (مؤمن اور مسلم) کو علیحدہ کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح اصطلاحات کا ایک اور جوڑا "نبی" اور "رسول" ہے۔ نبی اور رسول میں کئی اعتبارات سے فرق کیا جاتا ہے' لیکن یہ بات سب کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ نبی عام ہے اور رسول خاص۔ یعنی ہر رسول تو لازماً نبی ہے لیکن ہر نبی لازماً رسول نہیں ہے۔ جہاد اور قتال میں بھی بالکل یہی رشتہ ہے کہ ان دونوں میں عموم اور خصوص کی نسبت ہے۔ اس میں جہاد عام ہے اور قتال خاص ہے' یعنی قتال تو لازماً جہاد ہے لیکن جہاد لازماً قتال نہیں ہے۔ ان تینوں جوڑوں کے بارے میں اہل علم نے بہت عمدہ اصول وضع کیا ہے اِذَا اجْتَمَعَا تَفَرَّقَا وَاِذَا تَفَرَّقَا اجْتَمَعَا یعنی جب کسی ایک جگہ پر یہ دونوں الفاظ اکٹھے آئیں گے تو یقیناً ان میں بہت بڑا فرق ہو گا' Simultaneous Contrast ہو گا' لیکن یہ الگ الگ استعمال ہوں گے تو ایک ہی مفہوم میں استعمال ہوں گے۔ چنانچہ اگر ایک ہی جگہ مسلم اور مؤمن کے الفاظ آ رہے ہوں تو ان کے مفہوم میں لازماً فرق ہو گا۔ اسی طرح اگر ایک ہی جگہ جہاد اور قتال کے الفاظ آئیں' جیسا کہ سورۃ الصّف کی مثال دی گئی ہے' تو لازماً فرق ہو گا۔ لیکن اگر دونوں علیحدہ علیحدہ استعمال ہو رہے ہوں تو یہ ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہو سکتے ہیں' یعنی نبی کی جگہ رسول اور رسول کی جگہ نبی مستعمل ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح جہاد کی جگہ قتال اور قتال کی جگہ جہاد استعمال ہو سکتے ہیں اور مؤمن کی جگہ مسلم اور مسلم کی جگہ مؤمن استعمال ہو سکتے ہیں۔ بہرحال اس فرق کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

② جہاد —— فرضِ عین یا فرضِ کفایہ؟

جب قتال اور جہاد کو مترادف قرار دے دیا گیا اور جہاد کے معنی جنگ بنا لئے گئے تو اب ؎

خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

کے مصداق اس مفروضے پر مبنی نتائج بھی غلط نکلے۔ اگر جہاد کا مطلب قتال ہے تو ظاہر بات ہے قتال تو ہر وقت نہیں ہوتا' اور قتال کے بارے میں بھی یہ طے ہے کہ یہ فرض کفایہ ہے' اِلاّ یہ کہ کوئی استثنائی صورت ہو جائے' جیسے کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر نفیرِ عام کا اعلان کیا گیا کہ ہر شخص جنگ کے لئے نکلے۔ ظاہر بات ہے کہ عام حالات میں قتال فرض عین نہیں' فرض کفایہ ہے۔ اگر کسی مہم کے لئے ایک سو آدمیوں کی ضرورت ہے اور سو آدمی نکل آئیں تو باقی مسلمانوں کی طرف سے فرض ادا ہو گیا۔ جیسے ہمارے ہاں نمازِ جنازہ فرض کفایہ ہے کہ کچھ لوگوں نے ادا کر لی ہے تو سب کی جانب سے ادا ہو جائے گی اور اگر کسی مسلمان کی نماز جنازہ کسی نے ادا نہ کی تو سب گنہگار ہوں گے۔ یہی معاملہ قتال کا ہے۔ جیسے خلافت راشدہ میں ہوتا تھا کہ مثلاً اگر شام کے محاذ پر جنگ ہو رہی ہے اور وہاں سے مطالبہ آیا کہ دس ہزار آدمیوں کی مزید ضرورت ہے' تو اگر دس ہزار مجاہدین نکل آئیں اور باقی سب آرام سے گھروں میں رہیں تو ان پر کوئی الزام نہیں ہے۔ جہاد اور قتال کو مترادف سمجھ لینے کا نتیجہ یہ نکلا کہ خود جہاد کو فرض عین کی بجائے فرض کفایہ سمجھ لیا گیا۔ اس کے نتیجے میں جہاد کا تصور ہمارے دینی تصورات سے بحیثیتِ مجموعی خارج ہو گیا اور اس کی کوئی اہمیت نہیں رہی۔

③ کیا مسلمان کی ہر جنگ جہاد فی سبیل اللہ ہے؟

ایک دوسری چیز جس نے میرے نزدیک جلتی پر تیل کا کام کیا ہے اور پھر اس کی وجہ سے اصل بدنامی مسلمانوں کے حصے میں آئی ہے' یہ مغالطہ ہے کہ مسلمان جب بھی جنگ کرے وہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ اس غلط فہمی کے بدترین نتائج نکلے اور اس نے جہاد فی سبیل اللہ کی اصطلاح کو بڑی طرح بدنام کیا۔ ظاہر بات ہے کہ ہمارے دورِ ملوکیت میں بادشاہ جو جنگیں کرتے تھے ان کا محرک ان کی ہوسِ ملک گیری ہوتی تھی تاکہ بڑے سے بڑے محل بنا سکیں اور زیادہ سے زیادہ محصولات (Revenues) اکٹھے ہو سکیں۔ لیکن ان جنگوں کو بھی جہاد فی سبیل اللہ کہا گیا۔ ظاہر ہے اس کے نتیجے میں اس مقدس اصطلاح کو تو بدنام ہونا ہی تھا۔

اس ضمن میں تازہ ترین مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔ اسی صدی کے وسط یعنی پچاس کی دہائی میں الجزائر میں فرانس سے آزادی کی جنگ لڑی جا رہی تھی۔ مسلمانوں کا حصولِ حریت کے لئے جہاد ایک جائز جہاد ہے، مگر ہر جہادِ حُرّیت جہاد فی سبیل اللہ نہیں ہے۔ لیکن الجزائر کے اس جہادِ حُریت کو جہاد فی سبیل اللہ سے لیبل کر دیا گیا تھا۔ یہ میں اپنا ذاتی تجربہ بتا رہا ہوں کہ اس زمانے میں میں جماعت اسلامی منٹگمری (ساہیوال) کا امیر تھا تو علامہ بشیر الابراہیمی الجزائری تشریف لائے اور ان کے ساتھ ایک آرمی افسر کرنل عودہ تھے۔ علامہ بشیر الابراہیمی الجزائری معروف دینی شخصیت تھے۔ انہوں نے جہاد فی سبیل اللہ پر بڑی جوشیلی تقریر کی، جو عربی میں تھی، لیکن اس کا مفہوم سننے والوں کو کچھ نہ کچھ سمجھ میں آ رہا تھا۔ ہم نے اپنی بساط بھر کوشش کر کے پیسے جمع کئے اور ان کی خدمت میں پیش کئے۔ لیکن اس جہاد کا نتیجہ کیا نکلا؟ جب وہ جہاد کامیاب ہوا تو وہاں ایک سوشلسٹ ریاست وجود میں آ گئی۔ عجیب بات ہے کہ جو درخت آم کا تھا اس پر برگ وبار کسی اور شے کے آ گئے۔ درحقیقت وہ جہاد جہادِ حریت تھا، جہاد فی سبیل اللہ نہیں تھا۔ چنانچہ جہادِ حریت کی کامیابی کی صورت میں وہاں کے ایلیٹ طبقہ کے اذہان، فکر اور نظریات کے مطابق نظام بن گیا۔

یہی حال ہمارے پڑوسی ملک افغانستان میں ہوا۔ افغانستان میں جو جنگ لڑی گئی وہ بنیادی طور پر جہادِ حریت، یعنی آزادی کی جنگ تھی۔ اس میں اصل زور اس وقت آیا جب روسی افواج افغانستان میں داخل ہو گئیں۔ اس موقع پر تمام علماء بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس لئے کہ ہمارے فقہی تصورات کی رو سے بھی کسی مسلمان ملک پر کسی غیر مسلم حکومت کی فوجیں حملہ آور ہو جائیں تو پھر دفاع فرضِ عین ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس جذبے سے سرشار ہو کر پوری قوم اپنی آزادی کے تحفظ کے لئے کھڑی ہو گئی۔ ہم نے اس کو بھی جہاد فی سبیل اللہ کا لیبل دے دیا اور دنیا بھر میں اس کا ایسا ڈنکا بجایا کہ جذبہ شہادت سے سرشار رضا کار پوری دنیا سے کھنچ کر چلے آئے۔ جو لوگ باہر سے آئے میں سمجھتا ہوں ان کے دل میں وہی جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ تھا، لیکن افغانستان میں جہاد کی اصل کیفیت اور نوعیت تو جہادِ حریت کی تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ روسی افواج نکل گئیں اور آپس میں خانہ جنگی شروع ہو گئی اور یہ جہاد فی سبیل اللہ فساد فی سبیل اللہ بن گیا۔ کچھ عرصے بعد عربی مدارس کے نوجوان طالب علم اٹھے جنہوں نے جہاد فی سبیل اللہ کی بات نہیں کی، بلکہ جہاد فی سبیلِ

الامن 'یعنی امن قائم کرنے کے لئے جہاد کیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ چونکہ وہ علماء تھے لہٰذا انہوں نے جن علاقوں کا کنٹرول سنبھالا وہاں اسلامی شریعت نافذ کی۔ ورنہ وہاں کے جہادِ حریت میں تو تمام طبقے شریک تھے' جس طرح ایرانی انقلاب میں مختلف گروہوں نے مل کر شاہ کے خلاف جدوجہد کی تھی۔ ان میں تو دہ پارٹی' بائیں بازو کی جماعتیں اور مجاہدین خلق کے ساتھ ساتھ علماء بھی اس جدّوجہد میں شریک تھے۔ اسی طرح ہمارے ہاں اینٹی بھٹو تحریک کا معاملہ تھا۔ ایران میں اُس تحریک کی قیادت علماء کے ہاتھ میں آگئی اور علماء ہونے کے ناطے انہوں نے وہاں اپنی فقہ کے مطابق اسلامی قوانین نافذ کئے اور اسلامی شعائر کی تنفیذ کی۔ اسی طرح کا معاملہ افغانستان میں طالبان کے ذریعے ہوا۔ جہاد فی سبیل اللہ کے لوازم و مراحل نہ ایران میں پورے ہوئے نہ افغانستان میں۔

جہاد فی سبیل اللہ کی اہمیّت ولزوم

جہاد فی سبیل اللہ کی اہمیت اور اس کے لزوم کے ضمن میں قرآن مجید سے بیسیوں آیات کا حوالہ دیا جاسکتا ہے' لیکن میں یہاں صرف دو مقامات کے حوالے دے رہا ہوں۔

جہاد : ایمانِ حقیقی کا جزوِ لازم

قرآن کی رو سے جہاد فی سبیل اللہ ایمان کا جزوِ لازم ہے اور جہاد فی سبیل اللہ کے بغیر ایمان مکمل نہیں! میں الفاظ استعمال کروں گا کہ ایمانِ حقیقی کے دو اضافی ارکان ہیں' ایک دل میں یقین اور دوسرے عمل میں جہاد۔ اس کیلئے سورۃ الحجرات کی آیت ۱۴ اور ۱۵ ملاحظہ کیجئے۔ آیت ۱۴ کے آغاز میں ایمان اور اسلام کو علیحدہ علیحدہ کر دیا گیا :

﴿ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ ﴾ (الحجرات : ۱۴)

"یہ بدّو دعویٰ کر رہے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔ (اے نبیؐ) ان سے کہہ دیجئے تم ایمان ہرگز نہیں لائے' بلکہ یوں کہو کہ ہم اسلام لے آئے (یا ہم نے اطاعت قبول کرلی) جبکہ ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا..."

مذکورہ بالا آیت میں اسلام کا اثبات کرتے ہوئے ایمان کی نفی کی گئی ہے۔ اس لئے کہ جس کسی نے زبان سے کہہ دیا "اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ

اللّٰہ" وہ قانونی طور پر مسلمان شمار ہو گا۔ لیکن فرمایا گیا کہ اس مغالطے میں نہ رہنا کہ اس سے تمہیں ایمان حاصل ہو گیا ہے۔ "اِذَا جُتَمَعَا تَفَرَّقَا" کی رو سے ایک ہی جگہ دونوں اصطلاحیں آئی ہیں تو مفہوم جدا ہو جائے گا۔ چنانچہ یہاں اسلام اور ہے' ایمان اور ہے۔

جب یہ واضح ہو گیا کہ ایمان اور شے ہے' اسلام اور شے ہے تو فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر ایمان کیا ہے؟ اس کی تعریف کیا ہے؟ اس کے لوازم کیا ہیں؟ اس کی شرائط کیا ہیں؟ اس اعتبار سے میں کہتا ہوں کہ سورۃ الحجرات کی یہ دو آیات ایمانِ حقیقی کی تعریف پر قرآن کا ذروۂ سنام ہیں۔ اس لئے کہ اس تمہید کے بعد کہ اسلام اور ہے' ایمان اور ہے' اور یہ کہ تمہارا اسلام تسلیم لیکن تمہارا ایمان کا دعویٰ قابلِ قبول نہیں' فرمایا :

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ ﴾

نوٹ کیجئے اس آیت کے آغاز میں بھی اور اختتام پر بھی اسلوب حصر ہے۔ اسلوبِ حصر کو اس مثال سے سمجھئے کہ ایک جملہ تو یہ ہے کہ "زید عالم ہے"۔ اس سے ایک مفہوم آپ کے ذہن میں آ گیا کہ زید عالم ہے۔ اب اگر اس جملے میں "ہی" کا اضافہ ہو جائے کہ "زید ہی عالم ہے" تو اب یہاں گویا باقی کی نفی ہو گئی کہ جس گروہ کا ذکر ہو رہا تھا ان میں سے عالم صرف ایک ہے اور وہ زید ہے' باقی سب عالم نہیں ہیں۔ اس کو اسلوبِ حصر کہتے ہیں۔ "اِنَّمَا" کلمۂ حصر ہے اور آخر میں "اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ" میں پھر حصر ہے۔ چنانچہ اس آیت میں ایمانِ حقیقی کی تعریف کو دو طرح سے حصر کے اندر لے کر بیان کیا گیا ہے۔ اس لئے میں اسے جامع و مانع تعریف کہتا ہوں کہ جس کے اندر کسی شے کے لازمی اجزاء بھی آ جائیں اور کوئی خارجی شے شامل بھی نہ ہو سکے۔ اس لحاظ سے یہ ایمان کی جامع اور مانع تعریف ہے۔ اس آیت کا ترجمہ یہ ہے :

"(حقیقی) مؤمن تو صرف وہ ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر' پھر ہرگز شک میں نہیں پڑے۔ اور انہوں نے اللہ کے راستے میں جہاد کیا اپنی جانوں اور مال کے ساتھ' صرف یہی سچے لوگ ہیں۔"

یہ قرآن مجید کا واحد مقام ہے جہاں ایمان کے بعد ﴿ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا ﴾ کا اضافہ ہے جس سے

معلوم ہوا کہ وہ ایمان مطلوب ہے جو یقین کی شکل اختیار کر گیا ہو۔ یقین بھی ایسا کہ اس کے ساتھ شکوک و شبہات جڑے ہوئے نہ ہوں۔ ایمانِ حقیقی کی پہلی شرطِ لازم تو یہ ہوئی۔ دوسری یہ کہ وہ اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور یہی لوگ (اپنے دعوائے ایمان میں) سچے ہیں۔

اس بات کو اب ذرا وضاحت سے سمجھئے۔ دیکھئے! اسلام کے پانچ ارکان ہیں جن میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ یہ بات میں اس حوالے سے عرض کر رہا ہوں کہ ہمارے بعض مفسرین نے، خاص طور پر جو کسی دعوتی جدوجہد کو لے کر کھڑے ہوئے، کوشش کی ہے کہ جہاد کو بھی ارکانِ اسلام میں داخل کر لیں۔ یہ اس کی اہمیت کے پیشِ نظر کیا گیا، لیکن میرے نزدیک یہ کوشش غلط ہے۔ ارکانِ اسلام معین ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی متفق علیہ حدیث ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ: شَهَادَةِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، وَاِقَامِ الصَّلَاةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ))

"اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے۔ (۱) اس بات کی شہادت کہ اللہ کے بغیر کوئی الٰہ نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ (۲) نماز قائم کرنا۔ (۳) زکوٰۃ دینا۔ (۴) حج کرنا۔ (۵) رمضان کے روزے رکھنا۔"

ان پانچ ارکان میں سے ہم نہ کسی کو کم کر سکتے ہیں نہ اس میں کسی کا اضافہ کر سکتے ہیں۔

میں یہ عرض کر چکا ہوں کہ اسلام عام ہے اور ایمان خاص ہے۔ چنانچہ "ایمان" میں یہ پانچوں ارکانِ اسلام تو شامل رہیں گے، یہ اس کا جزوِ لازم ہیں، البتہ اس میں دو کا اضافہ ہو جائے گا۔ ایک۔ یہ کہ "شَهَادَةِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کے ساتھ یقین قلبی کا اضافہ کر لیں اور دوسرے عمل میں جہاد کا اضافہ کر لیں۔ اس کے لئے ایک مثال یہ ہے کہ روشنی کی کرن جب منشور (Prism) میں سے گزرتی ہے تو اس کے سات رنگ ظاہر ہو جاتے ہیں۔ لیکن ان سات کے ساتھ دو رنگ اور بھی ہوتے ہیں (Infra red اور Ultra violet) جو نظر نہیں آتے۔ اسی طرح یہ پانچ ارکان تو رہیں گے۔ "اسلام" گویا پہلی منزل ہے اور "ایمان" اس کے اوپر بالاتر منزل ہو گی۔ پہلی منزل کے یہ پانچوں ستون

تو دوسری منزل میں بھی ناگزیر ہیں' لیکن یہاں دو ستون اضافی ہو جائیں گے' قلب میں یقین اور عمل میں جہاد۔ یعنی ایمانِ حقیقی کے بارے میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ اس کے سات ارکان ہیں :یقینِ قلبی' شہادۃِ لسانی' نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ اور جہاد فی سبیل اللہ۔ بہرحال مذکورہ بالا آیت مبارکہ سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ ایمان کی تعریف کا جزوِ لازم جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

اُخروی نجات کا لازمی تقاضا

جہاد فی سبیل اللہ کی اہمیت اور اس کے لزوم کے ضمن میں قرآن حکیم کا دوسرا مقام سورۃ الصّف کی دو آیات ہیں' جن سے بالکل واضح ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کے بغیر نجات نہیں ہے' عذابِ الٰہی سے چھٹکارا ممکن نہیں ہے۔ فرمایا :

﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی تِجَارَةٍ تُنْجِیْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ○ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○ ﴾ (الصف : ۱۰'۱۱)

"اے ایمان کے دعوے دارو! کیا میں تمہاری رہنمائی کروں اس کاروبار کی طرف کہ جو تمہیں عذابِ الیم سے چھٹکارا دلا دے؟ ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر (جیسے کہ ایمان لانے کا حق ہے) اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے۔ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم واقعتاً صحیح علم رکھتے ہو۔"

آیت کے آغاز میں ﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ﴾ کے الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ ایمان تو پہلے بھی موجود تھا' لیکن اس کے بعد جو یہ فرمایا گیا کہ "ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر" تو معلوم ہوا کہ وہ ایمان قانونی درجے کا ایمان تھا اور یہاں حقیقی ایمان کی بات کی جا رہی ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ "جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے۔" معلوم ہوا کہ از روئے قرآن جہاد فی سبیل اللہ کے بغیر نجات کا کوئی امکان نہیں' کیونکہ اس آیت میں جہاد کے بغیر نجات کی نفی ہو رہی ہے۔

جہاد اور قتال کا فرق

البتہ ایک بات سمجھ لیجئے کہ یہ معاملہ قتال کا نہیں ہے' بلکہ یہ جہاد کی بحث ہو رہی ہے۔ "قتال" کے ضمن میں سورۃ النساء کی آیت ۹۵ بہت اہم ہے۔ فرمایا :

﴿ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ ﴾

"مسلمانوں میں سے وہ لوگ جو کسی معذوری کے بغیر گھر بیٹھے رہتے ہیں (یعنی قتال نہیں کرتے) اور وہ جو اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرتے ہیں (یہاں جہاد کا لفظ قتال کے معنی میں آیا ہے) دونوں کی حیثیت برابر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مال و جان سے جہاد کرنے والوں کو بہت بڑا درجہ دیا ہے ان لوگوں کے مقابلے میں جو بیٹھے رہنے والے ہیں۔ اور (ان دونوں میں سے) ہر ایک کے لئے اللہ نے بھلائی ہی کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھے رہنے والوں کے مقابلے میں بہت بڑا اجر دیا ہے۔"

میں عرض کر چکا ہوں کہ نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ میں صرف غزوۂ تبوک کے وقت نفیرِ عام ہوئی تھی' اس سے پہلے جتنی جنگیں ہوئیں ان میں صرف تشویق و ترغیب دلائی گئی کہ اے اہل ایمان' اللہ کی راہ میں نکلو! اللہ کی راہ میں جہاد کرو! لیکن اسے فرضِ عین قرار نہیں دیا گیا۔ آپؐ کی پوری جدوجہد کے دوران سوائے غزوۂ تبوک کے موقع کے' قتال سب مسلمانوں کے لئے لازم نہیں کیا گیا۔ اسی لئے میں نے عرض کیا تھا کہ قتال ہر وقت نہیں ہوتا' اور جب ہو تو عام حالات میں وہ فرض کفایہ ہوتا ہے' سوائے اس کے کہ نفیرِ عام ہو۔ چنانچہ قتال فرضِ عین نہیں ہے۔ لہٰذا اگر کوئی قتال کے لئے نہیں نکلا تب بھی اس کے بارے میں یہ نہیں فرمایا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مردود ہو گیا' بلکہ فرمایا: ﴿ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ﴾ "(ان دونوں میں سے) ہر ایک کے لئے اللہ نے بھلائی ہی کا وعدہ فرمایا ہے"۔ لیکن قتال فی سبیل اللہ کے لئے جانیں ہتھیلی پر رکھ کر نکل آنے والوں کے لئے بہت بڑا اجر ہے۔

اس کے مقابلے میں غزوۂ تبوک کے موقع پر نفیرِ عام تھی' لہٰذا اس موقع پر یہ انداز اختیار فرمایا گیا:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِى الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ○ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا.... ﴾ (التوبة : ۳۸'۳۹)

"اے اہلِ ایمان! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا گیا کہ نکلو اللہ کی راہ میں (جنگ و قتال کے لئے) تو تم زمین سے چمٹ کر رہ گئے۔ کیا تم آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو ترجیح دے بیٹھے ہو؟ (اور اگر تم نے دنیا کی زندگی پسند کر لی ہے) تو جان لو کہ دنیوی زندگی کا یہ سب سرو سامان آخرت میں بہت تھوڑا ثابت ہو گا۔ اور اگر تم (قتال کے لئے) نہیں نکلو گے تو سن رکھو کہ اللہ تمہیں دردناک عذاب دے گا۔"

یہ دو مقامات میں نے ایک دوسرے کے مقابلے میں آپ کے سامنے رکھ دیئے ہیں۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ جب قتال فرضِ عین بن جائے' یعنی نفیرعام ہو تو اس کی صورت اور ہو گی' ورنہ عام حالات میں قتال فی سبیل اللہ فرض کفایہ ہے' فرضِ عین نہیں ہے اور اس کے لئے تشویق و ترغیب سے کام لیا جائے گا۔ البتہ جہادِ فی سبیل اللہ کے بغیر نجات کا کوئی تصور ممکن نہیں۔

"جہاد" کی لغوی بحث

اب آیئے ذرا لغوی طور پر جائزہ لیں کہ یہ لفظ کہاں سے بنا ہے اور اس نے درجہ بدرجہ ایک اصطلاح کی شکل کیسے اختیار کی ہے۔ ظاہر بات ہے ہمارے دین کی اصطلاحات عربی زبان ہی سے اختیار کی گئی ہیں اور پہلے سے مستعمل الفاظ میں کچھ اضافی معانی داخل کر کے انہیں اصطلاحات کی شکل دی گئی ہے۔ "جہد" کے لفظ سے ہر شخص واقف ہے کہ اس کا مادہ "ج' ھ' د" ہے۔ جہد کے معانی کسی چیز کے حصول کے لئے محنت اور کوشش کرنے کے ہیں۔ یعنی to strive for something لیکن جب یہ لفظ باب مفاعلہ میں آئے گا (جہاد / مجاہدہ) تو یہاں اب دو طرفہ عمل ہو جائے گا' یعنی جہد کے مقابلے میں جہد' کسی رکاوٹ کے مقابلے میں محنت اور کوشش۔ انگریزی میں اسے to struggle against something کے الفاظ سے تعبیر کریں گے۔ اس کے

ساتھ ہمیشہ against کا صلہ (prepostiotn) استعمال کرتے ہیں' جبکہ to strive کے ساتھ for استعمال ہوتا ہے۔ گویا کہ جہد یکطرفہ عمل ہے' آپ کسی کام کے لئے کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن جہاد وہ دو طرفہ کوشش ہے جبکہ کوئی مقابلے میں ہو' یعنی آپ بھی کوشش کر رہے ہیں تو کوئی دوسرا بھی کوشش کر رہا ہے۔ کوشش کا کوشش سے مقابلہ ہو رہا ہے۔ کوشش کا کوشش سے تقابل ہو تو یہ جہاد ہے۔ بالکل اسی طرح قتل اور قتال کا معاملہ ہے۔ قتل بالکل ایک یکطرفہ عمل ہے۔ ایک شخص جا رہا تھا کسی نے اس کو گولی مار دی' جبکہ اس کے سان گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ کوئی مجھے گولی مار دے گا۔ لیکن قتال یا مقاتلہ (باب مفاعلہ میں) کا مفہوم یہ ہو گا کہ دو فریق ایک دوسرے کو قتل کرنے کے درپے ہیں' یا ایک فوج دوسری فوج کے مقابلے میں ہے۔ جہد اور قتل کے الفاظ تو اردو زبان میں عام مستعمل ہیں اور ان کے سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں۔

"جہاد" بطور اصطلاح

اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جہاد کی اصطلاح کس مفہوم میں استعمال ہوتی ہے۔ قرآن قرآن حکیم میں جہاد کا لفظ سب سے پہلے مکی سورتوں میں آیا ہے' لیکن وہاں "جہاد فی اللہ" کے الفاظ آئے ہیں "جہاد فی سبیل اللہ" کے نہیں۔ سورۃ الحج کی آخری آیت میں فرمایا :
﴿ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ﴾ "جہاد کرو اللہ کے لئے جیسا کہ اس کے لئے جہاد کا حق ہے۔" اسی طرح سورۃ العنکبوت کی آخری آیت ملاحظہ فرمائیں' ارشاد ہوا :
﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ﴾ "جو لوگ ہمارے لئے جہاد کریں گے (محنت' کوشش' جدّوجہد کریں گے) ہم ان کے لئے اپنے راستے کھولتے چلے جائیں گے (اور ان کے لئے رہنمائی دیتے چلے جائیں گے)"۔

اس سے آگے بڑھ کر پھر مدنی سورتوں میں اس کے ساتھ لفظ "سبیل" کا اضافہ ہو گیا اور جہاد فی سبیل اللہ (اللہ کی راہ میں جہاد) ایک اصطلاح بن گئی۔ اسی طرح "قتال فی سبیل اللہ" بھی ایک اصطلاح بن گئی۔

انسان جو جدّوجہد اور محنت کرتا ہے اس میں وہ دو چیزیں کھپاتا ہے' یعنی مال اور جان۔ لہٰذا جہاد کے ساتھ "بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ" کے الفاظ آتے ہیں۔ یعنی آپ کے

پاس جو بھی وسائل و ذرائع ہیں' جو بھی اللہ نے آپ کو دولت دی ہے اس کو اس مقصد کے لئے خرچ کیجئے' اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے جو صلاحیت' سمجھ' شعور اور ذہانت دی ہے اس کو بھی اللہ کی راہ میں لگائیے۔

جہاد فی سبیل اللہ "بِالْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ" کے علاوہ "ب" کے تعدیہ کے ساتھ قرآن مجید میں تو صرف ایک اصطلاح مزید آئی ہے اور وہ ہے "جہاد بالقرآن" یعنی قرآن کے ذریعے سے جہاد۔ جہاد کے لئے ہتھیار کیا ہو گا؟ کس چیز سے جہاد کریں گے؟ قرآن کے ذریعے سے! "جہاد بالقرآن" کی اصطلاح سورۃ الفرقان میں وارد ہوئی ہے' جس کا آغاز ہی ﴿ تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا ۝ ﴾ کے الفاظ سے ہوتا ہے۔ یعنی "نہایت متبرک ہے وہ جس نے یہ فرقان اپنے بندے پر نازل کیا تاکہ سارے جہان والوں کے لئے خبردار کر دینے والا ہو"۔ اس سورۃ کے تانے بانے میں قرآن مجید سے متعلق مضامین بُنے ہوئے ہیں۔ اسی میں فرمایا گیا : ﴿ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ۝ ﴾ (آیت ۵۲) "پس (اے نبی) آپ ان کافروں کی بات ہرگز نہ مانیں اور اس قرآن کے ذریعے سے ان کے خلاف پورے زور و شور سے جہاد جاری رکھئے!" ("جہاد بالقرآن" کے موضوع پر میرا کتابچہ بھی موجود ہے' جس میں اس موضوع پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔)

اس ضمن میں حدیث میں تین اصطلاحات مزید آئی ہیں۔ (۱) جہاد بالقلب : کسی شے سے شدید قلبی نفرت' یہ بھی درحقیقت ایک جہاد ہے۔ (۲) جہاد باللسان : کسی برائی کے خلاف زبان کھولنا۔ یہ اس کا اگلا درجہ ہے۔ (۳) جہاد بالید : ہاتھ سے یعنی طاقت اور قوت سے برائی کے خلاف کوشش کرنا۔ یہ گویا کہ سب سے اونچا درجہ ہے۔ یہ درجات صحیح مسلم کی دو احادیث میں بیان ہوئے ہیں۔ پہلی حدیث حضرت ابو سعید خُدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا :

((مَنْ رَاٰى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ' فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ' فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ' وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ))

"تم میں سے جو کوئی کسی برائی کو دیکھے تو اسے چاہئے کہ اپنے ہاتھ (کی قوت) سے اس کو بدل ڈالے۔ پھر اگر اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اپنی زبان سے (اس کے

خلاف آواز اٹھائے)' لیکن اگر وہ اس کی استطاعت بھی نہ رکھتا ہو تو اپنے دل سے (اس برائی سے نفرت رکھے)' اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے"۔

اسی مضمون کو لفظ جہاد کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے پہلے اللہ نے کسی نبی کو اُس کی اُمّت کی طرف مبعوث نہیں کیا مگر یہ کہ اس کے کچھ نہ کچھ صحابی اور حواری ہوتے تھے جو اس کی سُنّت کو مضبوطی سے پکڑتے تھے اور اس کے حکم کے مطابق چلتے تھے' لیکن بعد میں ایسے ناخلف لوگ آ جاتے تھے جو کہتے وہ تھے جو کرتے نہیں تھے اور کرتے وہ تھے جس کا انہیں حکم نہیں دیا گیا تھا۔

((فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ' وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ' وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ' وَلَيْسَ وَرَآءَ ذٰلِكَ مِنَ الْاِيْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ))

"پس جو ایسے لوگوں کے خلاف اپنے ہاتھ (طاقت) سے جہاد کرے گا وہ مؤمن ہو گا' اور جو ان کے خلاف اپنی زبان سے جہاد کرے گا وہ مؤمن ہو گا' اور جو ان کے خلاف اپنے دل سے جہاد کرے گا (ان کے کرتوتوں سے شدید نفرت رکھے گا) وہ مؤمن ہو گا' اور اس کے بعد تو ایمان رائی کے دانے کے برابر بھی نہیں۔"

واضح رہے کہ عام طور پر قتال کے لئے "جہادبِالسّیف" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اس طرح "ب" کے اضافے کے ساتھ یہ پانچ اصطلاحیں ہمارے سامنے آگئیں :

جہادبالقرآن' جہادبالقلب' جہادباللسان' جہادبالید' جہادبِالسّیف۔

جہاد کی منزلیں

"جہادفی سبیل....." کی تین منزلیں ہیں :

① جہادفی سبیل الحیاۃ

جہادفی سبیل..... کی پہلی منزل جہادفی سبیل الحیاۃ ہے۔ یعنی زندہ رہنے کے لئے جہاد۔ اسے علامہ اقبال نے "جہادِ زندگانی" سے تعبیر کیا ہے ؎

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مَردوں کی شمشیریں!

نظریۂ ارتقاء کے حوالے سے ایک اصطلاح Struggle for Existance اسی مفہوم میں استعمال ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ زندہ رہنے اور اپنے وجود کو برقرار رکھنے کے لئے ہر کسی کو جدوجہد کرنی پڑتی ہے اور اس میں اپنے ابنائے نوع سے مسابقت (Competition) کا معاملہ درپیش ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر کہیں ملازمت کی ایک جگہ نکلتی ہے تو اس کے لئے سینکڑوں درخواستیں آتی ہیں اور ہر درخواست کنندہ اپنا سا زور لگا رہا ہوتا ہے' سفارش کروائی جاتی ہے اور بھاگ دوڑ کی جاتی ہے۔ یہ سب اس لئے کہ معاش کی ایک شکل پیدا ہو جائے۔ "جہاد فی سبیل الحیاۃ" گویا کہ ہر ذی حیات (Living Organism) کا لازمہ ہے۔ ہر شے جو زندہ ہے اس کو اپنی زندگی برقرار رکھنے کے لئے مسلسل جہاد کرنا پڑتا ہے۔ اسی تصور میں "بقائے اَصلح" (Survival of the fittest) کا تصور شامل کیا جاتا ہے۔

زندگی کا یہی جہاد اگر بندۂ مؤمن کرتا ہے تو یہ اس کی عبادت کے درجے میں ہو گا' بشرطیکہ وہ احکامِ الٰہی کی پابندی کرتا ہو۔ اگر وہ اپنے ہاتھ کی محنت سے اپنی معاش کما رہا ہے تو اس کے لئے "اَلْکَاسِبُ حَبِیْبُ اللّٰہِ" کی بشارت ہے۔ چنانچہ ایک بندۂ مؤمن حلال اور حرام کی حدود کو قائم رکھتے ہوئے' حلال پر اکتفا کرتے ہوئے اور حرام سے قطعی بچتے ہوئے "جہاد فی سبیل الحیاۃ" کر رہا ہے تو یہ اس کے لئے عبادت کے درجے میں ہے۔ تاہم اس کے لئے ایک اور خاص قسم کے جہاد کی ضرورت ہو گی' جو بعد میں بیان کیا جائے گا۔

② جہاد فی سبیل الحقوق

"جہاد فی سبیل الحیاۃ" سے بلند تر منزل "جہاد فی سبیل الحقوق" کی ہے۔ اپنے حقوق کی جدوجہد میں سب سے بڑا جہاد "جہاد فی سبیل الحریت" ہے۔ آزادی ہر انسان کا حق ہے اور آزادی کے حصول کیلئے جہاد مسلمان اور غیر مسلم سب کرتے رہے ہیں۔ تیسری دنیا نے نوآبادیاتی نظام سے آزادی حاصل کی تو محنت' جدّوجُہد اور جہاد کے نتیجے میں۔ عجیب بات یہ ہے کہ سب لوگوں نے آزادی کی راہ میں جان دینے والوں کیلئے "شہید" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ہندو بھی شہید کا لفظ ہی استعمال کرتے ہیں۔ جن مجاہدینِ آزادی نے

اپنی جانیں قربان کیں وہ ان کے شہداء ہیں۔ بنگلہ دیش میں جن لوگوں نے پاکستان سے علیحدگی کے لئے جانیں دیں ان کے لئے بھی شہداء بنگلہ دیش کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔

جہاد فی سبیل الحُریت کو مَیں نے جہاد فی سبیل الحقوق سے خاص کر دیا ہے۔ اس لئے کہ شیر کے مُنہ میں سے نوالا نکالنا آسان کام نہیں ہوتا۔ جن طبقات نے لوگوں کے حقوق غصب کئے ہوئے ہیں ان کے چنگل سے نکلنا آسان کام نہیں۔ سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ نظام کی گرفت سے نکلنا آسان نہیں۔ اسی طرح اگر کسی قوم نے دوسری قوم کو غلام بنالیا ہے تو اس سے آزادی حاصل کرنا آسان کام نہیں 'لہٰذا اس کے لئے جہاد ہو سکتا ہے' بلکہ قتال کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔ یہ جہاد اگر کوئی مسلمان شریعت کے حدود و قیود کی پابندی کرتے ہوئے کرتا ہے تو یہ جائز ہے' اور اگر اس میں اپنی جان دیتا ہے تو وہ مرتبہ شہادت پر فائز ہوتا ہے' اگرچہ درجے کے اعتبار سے یہ شہادت وہ نہیں جو جہاد فی سبیل اللہ میں جان دینے سے ہوتی ہے۔ ع گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی! شہادت کے درجات کو ملحوظ خاطر رکھنا ہوگا' لیکن بہرحال یہ مرتبہ شہادت ہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے تو یہاں تک فرمایا : ((مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ)) "جو کوئی اپنے مال کی حفاظت میں مارا گیا تو وہ شہید ہے۔" یعنی کسی مؤمن پر اگر ڈاکوؤں نے حملہ کیا ہے تو اس کے سامنے دو راستے ہیں' یا تو وہ کہے کہ میری جان بخشی کرو اور جو کچھ میرے پاس ہے وہ لے لو' اور دوسرا یہ کہ وہ اپنے مال کی حفاظت میں ڈٹ جائے اور مقابلہ کرے۔ اس صورت میں اگر وہ مارا گیا تو اس کا درجہ شہادت کا ہے۔

③ نظریہ اور نظام کی سطح پر جہاد

اگر آپ کسی خاص نظریئے کے قائل ہو گئے ہوں' اس کی حقّانیت آپ کے دل میں بیٹھ گئی ہو اور اب آپ چاہتے ہوں کہ اس نظریئے کا پرچار ہو' اس نظریہ پر مبنی نظام قائم ہو اور اس کے منافی نظام کو ختم کیا جائے اور اس پورے نظام کی دھجیاں بکھیر دی جائیں۔ (علامہ اقبال کے الفاظ میں "برہم زن" اور شاہ ولی اللہ کے الفاظ میں فَكُّ كُلِّ نِظَامٍ) تو یہ جہاد کی بلند ترین منزل ہے۔ اس کا تعلق انسان کے خیالات' نظریات' عقائد اور سوچ و فکر سے ہے۔ ظاہر بات ہے پھر اس نظریئے پر مبنی جہاد ہو گا۔ اپنے پسندیدہ نظریئے کو پھیلانا' عام کرنا اور اس نظریئے پر مبنی نظام قائم کرنے کے لئے جہاد نظریاتی جہاد ہو گا۔

فرض کیجئے اگر کسی کے ذہن میں اشتراکیت کا فلسفہ بیٹھ گیا اور وہ اسی کو صحیح سمجھتا ہے' تاریخ کی یہی تعبیر اسے درست معلوم ہوتی ہے تو اب اگر اس نے اس نظریئے کو پھیلایا اور اس کے لئے تن من دھن کی بازی لگادی تو یہ جہاد فی سبیل الاشتراکیہ ہے۔ اسی طرح عوام کے جمہوری حقوق کے لئے آواز اٹھانا' جاگیرداری نظام سے آزادی حاصل کرکے جمہوریت کے قیام کی جدّ وجہد کرنا جہاد فی سبیل الدیموکراتیہ ہے۔

اسی طرح ایک جہاد فی سبیل الشرک ہے' یعنی شرک کے حق میں جہاد کرنا۔ اس معنی میں یہ لفظ (جہاد) قرآن مجید میں دو جگہ آیا ہے کہ مشرک والدین اگر تم سے جہاد کریں کہ تم اللہ کے ساتھ شرک کرو تو ان کی اطاعت مت کرنا۔ سورۃ العنکبوت میں الفاظ آئے ہیں ﴿وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا﴾ اور سورۂ لقمان میں فرمایا ﴿وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰۤی اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا﴾ مشرک والدین کے نوجوان بیٹے جب ایمان لے آئے تو ان پر مشرک والدین کا بھرپور دباؤ یہ تھا کہ واپس آ جاؤ اور اس دین کو چھوڑ دو۔ ان کا دباؤ اور کوشش درحقیقت جہاد فی سبیل الشرک' فی سبیل الکفر اور فی سبیل الطاغوت تھا۔ چنانچہ قرآن مجید میں یہ آیت بھی آئی ہے ﴿اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ الطَّاغُوْتِ.... ﴾ (النساء : ۷۶) "جن لوگوں نے ایمان کا راستہ اختیار کیا ہے وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں' اور جنہوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا ہے وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں....." ظاہر بات ہے بدر میں ابوجہل اور اس کے ساتھی بھی جانیں ہتھیلی پر رکھ کر آئے تھے' لہٰذا وہ بھی مجاہد تھے' لیکن وہ مجاہد فی سبیل الشیطان' فی سبیل الشرک اور فی سبیل الطاغوت تھے۔ جب کہ ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ﴾ مجاہدین فی سبیل اللہ تھے۔

یہاں آکر اب "جہاد فی سبیل اللہ" کی اصطلاح معیّن ہوئی۔ "جہاد" کی تیسری منزل کسی نظریئے اور نظام کی بنیاد پر جہاد ہے ـــــ اور اسلام میں وہ نظریہ ایمان ہے۔ ایمان کے اس نظریئے پر ایک نظام قائم ہوتا ہے۔ اس نظام کو قائم کرنے کی جدّوجُہد "جہاد فی سبیل اللہ" ہے۔

جہاد فی سبیل اللہ کی منازل

جہاد فی سبیل اللہ کی تین منزلیں ہیں :

① پہلی منزل کے تین جہاد

ا۔ جہاد مع النفس : پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ اگر کوئی بندۂ مؤمن جہاد فی سبیل الحیاۃ یعنی زندہ رہنے کے لئے جدوجہد کر رہا ہے تو اگر وہ یہ جدوجہد حلال و حرام کی حدود کو پیش نظر رکھتے ہوئے، یعنی حرام سے بالکلیہ اجتناب کرتے ہوئے اور صرف حلال پر اکتفا کرتے ہوئے کر رہا ہے تو وہ اس کے لئے عبادت کے درجے میں ہے۔ اپنے آپ کو احکامِ شریعت کا پابند بنانے کے لئے بھی جہاد کی ضرورت ہے اور یہ جہاد فی سبیل اللہ کی پہلی منزل ہے۔ خود مسلمان ہونے کے لئے، خود اللہ کی اطاعت پر کاربند رہنے کے لئے، شریعت کو اپنے اوپر نافذ کرنے کے لئے، اپنے وجود پر اللہ کا حکم قائم کرنے کے لئے، خود اپنی ذات پر خلافت کا نظام قائم کرنے کے لئے جہاد کرنا جہاد فی سبیل اللہ کی اولین منزل ہے۔

واضح رہے کہ اوّلین ہونے کے ناطے یہ اہم ترین بھی ہے۔ اس لئے کہ اس پہلی منزل پر دوسری منزل تعمیر ہوگی جو بلند تر ہوگی، اُس کے اوپر تیسری منزل اس سے بھی بلند تر ہوگی۔ لیکن اہم ترین پہلی منزل ہے، کیونکہ پہلی منزل وجود میں آئے گی تو اس پر دوسری منزل بنے گی اور دوسری منزل موجود ہوگی تو تیسری بنے گی۔ اوپر کی دونوں منزلوں کی پختگی اور مضبوطی کا دارومدار بالکلیہ پہلی منزل پر ہے۔ اس حوالے سے جہاد فی سبیل اللہ کی اولین منزل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ شریعت کے اوامر و نواہی کا پابند ہونے کے لئے جہاد کیا جائے۔ اس کے لئے سب سے پہلے اپنے نفس امارہ کے خلاف جہاد ضروری ہے۔

ایمان کا نور قلب میں پیدا ہوتا ہے۔ جیسے کہ فرمایا : ﴿مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ﴾ (النور : ۳۵) "اُس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق میں چراغ رکھا ہو۔" حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہاں "فِيْ قَلْبِ الْمُؤْمِنِ" کے الفاظ محذوف ہیں۔ یعنی "مَثَلُ نُوْرِهٖ فِيْ قَلْبِ الْمُؤْمِنِ"۔ مؤمن کے دل میں جو نورِ ایمان آتا ہے وہ دو اجزاء نورِ فطرت اور نورِ وحی پر مشتمل ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کے بارے میں فرمایا

"نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ"۔

اب انسان میں حیوانی تقاضے (Animal Instincts) بھی موجود ہیں جو بہت زوردار ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ زندہ رہنے کا تقاضا بہت شدید ہے' زندہ رہنے کے لئے اسے کھانے پینے کو بھی چاہئے' اسے رزق اور تسکین چاہئے۔ پھر صرف یہ نہیں کہ وہ ضرورت کی حد تک ہو بلکہ اس میں کچھ لذّات بھی ہوں' اللہ نے Taste Buds پیدا کئے ہوئے ہیں۔ پھر یہ کہ اپنی نسل کی بقاء کے لئے اس کے اندر ایک جنسی جذبہ موجود ہے۔ فرائڈ کے نزدیک تو یہ انسان کے اندر سب سے قوی جذبہ ہے اور انسانی محرکاتِ عمل میں یہ جذبہ سب سے زیادہ طاقت ور ہے۔ انسان کے خاکی وجود میں جو حیوانی داعیات موجود ہیں وہ تو اپنی تسکین چاہتے ہیں۔ انہیں حلال و حرام سے کوئی غرض نہیں۔ چنانچہ پیٹ بھرا ہونا چاہئے۔ زبان کو چٹخارہ چاہئے۔ جنسی جذبہ بھی اپنی تسکین چاہتا ہے' یہ تمام instincts اندھے ہیں۔ انہیں جائز و ناجائز اور حلال و حرام سے کوئی بحث نہیں۔ یہ گویا کہ انسان پر دباؤ ڈالتے ہیں اور اسے مجبور کرتے ہیں۔ سورۂ یوسف کی آیت ۵۳ میں اس کی تعبیر یوں کی گئی ہے : ﴿اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ﴾ "نفس تو بدی پر اکساتا ہے" یعنی ہمارے اندر کا حیوان جو تمام حیوانی تقاضے رکھتا ہے' انسان کو برائی کی طرف کھینچتا ہے۔ گویا ؎

"ایماں مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے!"

کے مصداق انسان کو اس کی روح نیکی کی طرف کھینچ رہی ہے اور دوسری طرف اس کا نفس اسے برائی کی طرف کھینچ رہا ہے۔ چنانچہ ہمارے اندرونی میدانِ جنگ میں کشاکش خیر و شر برپا ہے' جس کے دو فریق ہیں جو ایک دوسرے کے خلاف زور آزمائی کر رہے ہیں۔ نفس انسانی کے لئے مولانا روم نے اس شعر میں بہترین تعبیر کی ہے۔ ؎

نفسِ ما ہم کم تر از فرعون نیست
لیکن او را عون ایں را عون نیست!

یعنی یہ میرا نفس بھی فرعون سے کم نہیں ہے۔ اس لئے کہ جیسے فرعون نے کہا تھا کہ ﴿اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ﴾ "کیا مصر کی حکومت میری

نہیں ہے؟ اور یہ سارا آبپاشی کا نظام میرے کنٹرول میں نہیں ہے؟" مَیں جس کا پانی چاہوں جاری رکھوں اور جس کا چاہوں بند کر دوں' یہ میرے اختیار میں ہے۔ اسی طرح یہ نفس کہتا ہے کہ یہ وجود میرا ہے' اس پر میرا حکم چلے گا' مجھے اس سے غرض نہیں کون خدا ہے' کیا اس کا حکم ہے۔ اسی طرح یہ نفس کہتا ہے مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے کہ کیا حلال ہے اور کیا حرام ہے' کیا جائز ہے اور کیا ناجائز ہے' میری خواہشات' میرے جذبات اور میری شہوات کی تسکین ہونی چاہئے۔ فرق صرف یہ ہے کہ فرعون کے پاس لاؤ لشکر بھی تھا' مدد (فوج) تھی' لہٰذا اس نے زبان سے بھی کہہ دیا کہ ﴿ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴾ کہ میں ہی تمہارا بڑا رب ہوں۔ لیکن میرے نفس کے پاس کوئی فوج نہیں ہے' اس کے کوئی اعوان و انصار نہیں ہیں' لہٰذا یہ زبان سے خدائی کا دعویٰ نہیں کرتا۔

اب یہاں رسول اللہ ﷺ کا نہایت حکیمانہ فرمان نوٹ کیجئے۔ آپ سے پوچھا گیا: اَیُّ الْجِهَادِ اَفْضَلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ "اے اللہ کے رسول! سب سے افضل جہاد کونسا ہے؟" آپؐ نے فرمایا: ((اَنْ تُجَاهِدَ نَفْسَكَ فِیْ طَاعَةِ اللّٰهِ)) "یہ کہ تم اپنے نفس کے خلاف جہاد کرو' اسے اللہ کا مطیع بنانے کے لئے۔"

یہاں دو الفاظ "افضل" اور "اعلیٰ" کا فرق نوٹ کر لیجئے۔ "اعلیٰ" یعنی بلند ترین تیسری منزل ہے' لیکن افضل پہلی منزل ہے' اس اعتبار سے کہ یہ مضبوط اور مستحکم ہو گی تو اس پر اگلی منزل کی تعمیر کا سوال پیدا ہو گا۔ اگر یہی کمزور ہے اور اوپر آپ نے مزید بوجھ ڈال دیا تو پوری عمارت ہی بیٹھ جائے گی۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے "افضل" اور "اعجب" کا فرق کیا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ افضل ایمان تو بلاشک و شبہ صحابہ کرام ؓ کا ہے' یہاں تک کہ ادنیٰ سے ادنیٰ صحابیؓ کا ایمان بھی بڑے سے بڑے ولی اللہ سے افضل ہے۔ حضور ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے دریافت فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ "اَعجبُ الایمان" کون ہے؟ یعنی سب سے زیادہ خوبصورت' عجیب اور دل کو لبھانے والا ایمان کس کا ہے؟ صحابہؓ نے جواب میں عرض کیا کہ فرشتوں کا ایمان' جو کہ اللہ کے حضور میں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((وَمَالَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ وَهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ)) "وہ کیسے ایمان نہ لائیں جبکہ وہ تو اپنے رب کے پاس ہی ہیں؟" ایمان میں ان کا اپنا کون سا کمال ہوا؟ دوسری مرتبہ صحابہؓ نے عرض کیا: رسولوں کا ایمان! آپ ﷺ نے فرمایا: ((وَمَالَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ

وَالْوَحْیُ یَنْزِلُ عَلَیْھِمْ)) "وہ کیسے ایمان نہ لاتے' ان پر تو وحی نازل ہوتی ہے۔" پھر صحابہ کرامؓ نے بڑی جرأت کر کے عرض کیا: "فَنَحْنُ" پھر ہمارا ایمان اعجب ہے! آپ ﷺ نے فرمایا: ((وَمَالَکُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ وَاَنَا بَیْنَ اَظْھُرِکُمْ)) "تم کیسے ایمان نہ لاتے جب کہ میں تمہارے مابین بنفس نفیس موجود ہوں"۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ اَعْجَبَ الْاِیْمَانِ اِلَیَّ لَاِخْوَانٌ الَّذِیْنَ یَاْتُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ یَجِدُوْنَ صُحُفًا فِیْہِ کِتَابُ اللّٰہِ وَیُؤْمِنُوْنَ بِمَا فِیْھَا))

"میرے نزدیک خوبصورت ترین (اور دل کو لبھانے والا) ایمان تو ان بھائیوں کا ہو گا جو میرے بعد آئیں گے (ان کو میری صحبت سے حصہ نہیں ملے گا)' انہیں اللہ کی کتاب کے اوراق ملیں گے تو وہ اس پر ایمان لائیں گے۔"

چنانچہ اَعجب ایمان تو بعد والوں کا ہے جبکہ افضل ایمان صحابہ کرامؓ کا ہے۔ اسی طرح اعلیٰ جہاد' جہاد کی آخری منزل قتال فی سبیل اللہ ہے' لیکن افضل جہاد' جہاد مع النفس ہے۔

۲۔ شیطانِ لعین اور اس کے غیر مرئی لشکر کے خلاف جہاد: شیطان ہمارے نفسانی تقاضوں میں پھونکیں مارتا اور انہیں مشتعل کرتا ہے۔ شیطان ہمیں ورغلاتا ہے' برے راستے کو مزین کر کے دکھاتا ہے' اس لئے کہ شیطان ہمارا دشمن ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوا: ﴿ اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْہُ عَدُوًّا ﴾ (فاطر: ۶) "درحقیقت شیطان تمہارا دشمن ہے' لہٰذا تم بھی اسے دشمن ہی سمجھو"۔ سورۂ کہف میں شکوے کے انداز میں فرمایا: ﴿ اَفَتَتَّخِذُوْنَہٗ وَذُرِّیَّتَہٗٓ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِیْ وَھُمْ لَکُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِیْنَ بَدَلًا ○ ﴾ "کیا تم مجھے چھوڑ کر ابلیس اور اس کی ذریت (اس کے ایجنٹ اور چیلے چانٹوں) کو اپنا دوست (اور سرپرست) بناتے ہو حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں؟ بہت ہی برا بدل ہے جسے ظالم لوگ اختیار کر رہے ہیں"۔ میری دوستی اور میری ولایت کو چھوڑ کر انہوں نے شیطان لعین کے ساتھ دوستی گانٹھ لی ہے؟ شیطان کے بارے میں قرآن مجید کہتا ہے ﴿ اِنَّہٗ یَرٰىکُمْ ھُوَ وَقَبِیْلُہٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَھُمْ ؕ ﴾ (الاعراف: ۲۷) "شیطان اور اس کے ساتھی تمہیں ایسی جگہ سے تاکتے ہیں (اور وہاں سے حملہ آور ہوتے ہیں) جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے"۔ ایک غیر مرئی شیطان (جن) تو ہر انسان کے ساتھ لگا دیا گیا ہے جو اسے برائی پر اکساتا رہتا ہے۔

ایک حدیث میں الفاظ آئے ہیں : ((اِنَّ الشَّیْطَانَ یَجْرِیْ مِنِ ابْنِ آدَمَ مَجْرَی الدَّمِ)) (متفق علیہ) یعنی "شیطان تو انسان کے وجود میں اس طرح سرایت کر جاتا ہے جیسے کہ خون گردش کرتا ہے"۔ اب اس کی دو توجیہات ممکن ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ شیاطین چونکہ جِنّات ہیں اور ان کا مادۂ تخلیق نار ہے اور نار ایک لطیف شے ہے' لہٰذا اس لطافت کی وجہ سے وہ واقعتاً انسان میں سرایت ہی کر جاتے ہوں۔ دوسرے یہ کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ہمارے نفس کو مشتعل کر دیتے ہوں' اور چونکہ نفس ہمارے پورے انسانی وجود کو کنٹرول کر رہا ہے' تو اس طرح گویا وہ بالواسطہ ہمارے پورے وجود میں سرایت کر جاتے ہوں۔ واللہ اعلم۔

۳۔ بگڑے ہوئے معاشرے کے خلاف جہاد : اگر کوئی معاشرہ بگڑ گیا ہے اور اس کے رجحانات غلط ہو گئے ہیں تو اس کا ایک دباؤ ہوتا ہے جو انسان کو غلط رُخ کی طرف لے جانا چاہتا ہے۔ ہر شخص کو ذاتی طور پر اس کا تجربہ ہو گا کہ کوئی ہجوم ایک رخ پر جا رہا ہو تو اُس رُخ پر چلنا بہت آسان ہو جاتا ہے' لیکن اس کے خلاف چلنے کے لئے بڑی مشقت و محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بڑا زور لگا کر آپ دو چار قدم ایک طرف جائیں لیکن اس ہجوم کا ایک ریلا آئے اور وہ آپ کو دھکیل کر پھر دس قدم پیچھے لے جائے۔ لہٰذا اگر معاشرے کا رخ بے حیائی کی طرف ہے' معاشرہ اللہ کی بغاوت کی طرف چل رہا ہے اور سب لوگ اس حال میں خوش و خرم' مسرور اور مگن ہیں اور وہ اس رخ پر بڑھتے چلے جا رہے ہیں' تو ان میں سے کسی ایک شخص کا اللہ کی طرف رخ کر کے بڑھنا اور "اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا" کا اعلان کرنا آسان کام نہیں ہے۔

ایسے شخص کو اس معاشرے کے خلاف شدید جدوجہد کرنی پڑے گی' اور ہو سکتا ہے کہ اسے سب سے پہلے اپنے گھر والوں کے خلاف ہی جہاد کرنا پڑے۔ سورۃ التغابن میں فرمایا : ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَاَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوْھُمْ﴾ "اے اہل ایمان! تمہاری اپنی بیویوں اور تمہاری اولاد میں تمہارے دشمن موجود ہیں' لہٰذا ان سے بچ کر رہو"۔ اور پھر یہ کہ مال اور اولاد کو فتنہ قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ یہ سارا معاملہ گھر سے شروع ہو جائے گا۔ پھر رشتہ داری اور برادری کا معاملہ ہے۔ آپ نے اسی

معاشرے میں رہتا ہے اور اس کے اپنے غیر اسلامی رسوم و رواج ہیں۔ اب برادری اور قبیلے سے کیسے کٹ جائیں؟ اس کا دباؤ ہے۔ اب آپ کے سامنے دو ہی راستے ہیں۔ آسان راستہ تو یہ ہے کہ ع "زمانہ باتو نہ سازد تُو بازمانہ بساز!" یعنی اگر زمانہ تمہارے ساتھ موافقت نہیں کر رہا ہے تو تم زمانے کے ساتھ موافق ہو جاؤ اور اسی رنگ میں ڈھل جاؤ۔ اس طرح کھینچا تانی (friction) ختم ہو جائے گی۔ اختلاف اور مزاحمت تو اسی وقت ہوتی ہے کہ لوگ اُدھر جا رہے ہوں اور تم اِدھر آ رہے ہو' لیکن اگر تم نے بھی وہی رخ اختیار کر لیا تو سیدھا اور آسان راستہ ہے۔ لیکن جس چیز کو جہاد کہا جائے گا وہ یہ ہے کہ ع "زمانہ باتو نہ سازد تُو بازمانہ ستیز!" یعنی اگر زمانہ تمہارے ساتھ موافقت نہیں کر رہا ہے تو تم زمانے سے جنگ کرو' اس کے خلاف لڑو' جہاد کرو۔

یہ تھی جہاد فی سبیل اللہ کی پہلی منزل' جس کے تین مراتب یا مدارج (sub stages) میں نے آپ کو بتائے ہیں۔

② باطل عقائد و نظریات کے خلاف جہاد

جہاد فی سبیل اللہ کی دوسری منزل باطل عقائد و نظریات کے خلاف جہاد ہے۔ انسان ایک متمدن حیوان ہے اور وہ معاشرے میں رہتا ہے۔ جب ایک شخص کو اللہ و آخرت پر پختہ یقین حاصل ہو گیا اور اس نے اپنے آپ کو شریعت کے احکام پر کاربند کر لیا تو یہاں سے بات بالکل فطری طور پر باہر نکلے گی۔ اس لئے کہ اگر آپ نے اندر کے جہاد کا مرحلہ طے کر لیا ہے تو یہ ممکن نہیں کہ آپ کی شخصیت سے یہ جہاد خارج میں نہ نکلے۔ اگر یہ باہر نہیں نکل رہا تو اس کا مطلب ہے کہ اندر کہیں فساد ہے۔ اگر آپ کو آگ نظر آ رہی ہے لیکن اس کے پاس بیٹھنے سے آپ کو تپش محسوس نہیں ہو رہی تو یقیناً وہ آگ نہیں' صرف آگ کی شکل ہے۔ جیسے آج کل ایسے الیکٹرک ہیٹرز ہوتے ہیں کہ ان میں دہکتے ہوئے انگارے نظر آتے ہیں لیکن وہ انگارے نہیں ہوتے' حرارت تو کہیں اور سے آ رہی ہوتی ہے۔ اسی طرح انسانی شخصیت کے اندر سے اثرات کا اپنے ماحول میں سرایت کرنا یقینی ہے۔ اس کے لئے ہمارے پاس چار شواہد ہیں :

(۱) یہ قانونِ طبعی کے تحت لازم ہے۔ آگ کی بھٹی میں سے حرات کا برآمد ہونا ایک طبعی امر ہے۔ لہٰذا اگر آپ کے اندر ایمانی حرارت کی بھٹی دہک گئی ہے تو اس حرارتِ

ایمانی کے اثرات آپ کی شخصیت سے لازماً باہر نکلیں گے۔

(۲) یہ انسان کی مروّت اور شرافت کا تقاضا ہے۔ جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ))

"تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لئے بھی وہی کچھ پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔"

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ایمان کی جو نعمت عظمیٰ تمہیں عطا فرمائی ہے اسے اپنے بھائی بند' اعزّہ و اقارب' اپنی قوم' قبیلہ' برادری اور پھر پوری نوعِ انسانی میں بانٹو اور اسے لوگوں کے ساتھ share کرو' کیونکہ یہ آپ کی شرافت اور مروّت کا تقاضا ہے۔

(۳) یہ آپ کی غیرت کا بھی تقاضا ہے کہ جس شے کو آپ نے حق سمجھا ہے اگر اس کے خلاف باطل کا غلبہ ہے تو آپ اس کے خلاف جہاد کریں اور اس کے لئے دعوت کا آغاز کریں۔ دعوت و تبلیغ نظریاتی سطح پر جہاد کا پہلا مرحلہ ہے۔ یہاں وہ لرزا دینے والی حدیث ملاحظہ کر لیجئے کہ حضور ﷺ نے فرمایا :

((اَوْحَی اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِلٰی جِبْرَائِیْلَ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَنِ اقْلِبْ مَدِیْنَةَ کَذَا وَکَذَا بِاَهْلِهَا' قَالَ فَقَالَ : اِنَّ فِیْهَا عَبْدَكَ فُلَانًا لَمْ یَعْصِكَ طَرْفَةَ عَیْنٍ' قَالَ فَقَالَ : اِقْلِبْهَا عَلَیْهِ وَعَلَیْهِمْ' فَاِنَّ وَجْهَهٗ لَمْ یَتَمَعَّرْ فِیَّ سَاعَةً قَطُّ))

"اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ فلاں فلاں شہروں کو ان کے رہنے والوں سمیت اُلٹ دو۔ اس پر جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے اللہ! اس میں تو تیرا فلاں بندہ بھی ہے جس نے کبھی پلک جھپکنے جتنی دیر بھی تیری معصیت میں بسر نہیں کی۔ (جبرئیل علیہ السلام کے ان الفاظ سے اس شخص کے تقویٰ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے' اور یہ بھی نوٹ کیجئے کہ اس کے تقویٰ کی گواہی دینے والا کوئی کرائے کا وکیل نہیں ہے' بلکہ جبرائیل ہیں' اور وہ اُس بارگاہ میں گواہی دے رہے ہیں جہاں ابوجہل بھی جھوٹ نہیں بول سکتا۔) اس پر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اُلٹو اُس بستی کو پہلے اُس پر اور پھر دوسروں پر' اس لئے کہ اس کا چہرہ میری غیرت و حمیت

میں کبھی متغیر نہیں ہوا۔"

آپ غور کیجئے کہ اگر کوئی آپ کو ماں کی گالی دے تو اس پر آپ کا ردعمل کیا ہو گا؟ اگر آپ کے جسم میں جان ہے تو کیا آپ اسے یونہی جانے دیں گے؟ ہرگز نہیں! فرض کیجئے آپ کمزور ہیں تو بھی کم سے کم آپ کے پورے جسم کا خون آپ کے چہرے پر سمٹ آئے گا اور آپ کا چہرہ غصے سے تمتما اٹھے گا۔ لیکن اگر اللہ کے احکام ٹوٹ رہے ہوں' ان کی دھجیاں بکھر رہی ہوں' باطل کا ڈنکا بج رہا ہو' طاغوت کا بول بالا ہو اور بندۂ مومن فقط "اللہ اللہ" کرنے میں لگا ہوا ہو تو اس سے بڑھ کر اور کوئی مجرم نہیں۔ یہی تو ابلیس چاہتا ہے کہ ؏

مست رکھو ذکر و فکرِ صبح گاہی میں اسے
پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اسے!

اُس عابد و زاہد شخص پر اللہ تعالیٰ کا غضب خاص طور پر اس لئے نازل ہوا کہ دوسرے لوگ تو غافل تھے' انہیں اللہ سے کوئی تعلق نہیں تھا' ان کا اللہ سے کوئی تعارف نہیں ہوا اور حق ان پر منکشف نہیں ہوا تھا۔ یہ عبادت گزار' طاعت گزار' عابد و زاہد شخص اور اس نے اللہ کے معاملے میں اس قدر بے حسی اور بے غیرتی کا مظاہرہ کیا کہ اس کا چہرے کا رنگ کبھی اللہ کی غیرت میں متغیر نہیں ہوا! آپ اگر اللہ پر ایمان رکھتے ہیں تو اس کے لئے آپ کے اندر غیرت ہونی چاہئے۔ آپ دین کو مانتے ہیں تو آپ کے اندر دینی حمیت ہونی چاہئے۔

دعوت و تبلیغ : باطل عقائد و نظریات کے خلاف جہاد کے لئے دین کی بہت سی اصطلاحات ہیں۔ مثلاً "دعوت و تبلیغ" ایک اصطلاح ہے۔ ان دونوں الفاظ میں بڑا پیارا رشتہ ہے۔ تبلیغ میں آپ کسی کے پاس اپنی بات پہنچانے کے لئے جاتے ہیں اور دعوت میں آپ اُسے کھینچ کر اپنی بات کی طرف لے آتے ہیں۔ درحقیقت یہ ایک ہی حقیقت کے دو رُخ ہیں۔ اسی طرح اس کے لئے "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" اور "وعظ و نصیحت" جیسی اصطلاحات بھی مستعمل ہیں۔ اور اس ضمن میں جامع ترین اصطلاح "شہادت علی الناس" ہے' یعنی دعوت کا حق اس حد تک ادا کر دینا کہ قیامت کے دن کھڑے ہو کر یہ گواہی دے سکو کہ اے اللہ! ہم نے تیرا پیغام پہنچا دیا تھا۔ یہ اصلاً انبیاء و رُسل کی ذِمّہ

داری تھی' جو ختمِ نبوت کے نتیجے میں اس اُمّتِ مسلمہ کے سپرد کر دی گئی ہے۔ سورۃ الحج کے آخری رکوع میں فرمایا :

﴿ اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ۭ ﴾ (الحج : ۷۵)

"اللہ چن لیتا ہے فرشتوں میں سے بھی اپنے ایلچی اور پیغامبر اور انسانوں میں سے بھی۔"

رسول' اللہ تعالیٰ کے چُنے ہوئے برگزیدہ بندے تھے۔ ان کے پاس اللہ کا پیغام فرشتوں کے ذریعے آتا تھا جو وہ لوگوں تک پہنچا دیتے تھے۔ جب لوگ اس پیغام کو فراموش کر دیتے تو اس کی یاد دہانی کے لئے ایک اور رسول آ جاتا۔ فرشتہ اور رسول دونوں ہی اللہ کے فرستادہ اور پیغمبر ہوتے تھے' ایک رسولِ ملک ہوتا اور ایک رسولِ بشر۔ یہ سلسلہ محمد رسول اللہ ﷺ تک چلتا رہا' جو اللہ کے آخری رسول ہیں۔ رسولِ ملک جبرائیل علیہ السلام ہیں اور رسولِ بشر محمد ﷺ۔ جبرائیل علیہ السلام نے اللہ سے پیغام لے کر محمد ﷺ کو پہنچایا اور محمد ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام سے لے کر امت کو پہنچایا۔ اب امت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسے پوری نوعِ انسانی کو پہنچائے۔ اس لئے کہ محمد رسول اللہ ﷺ آخری رسول ہیں اور وہ تمام انسانوں کے لئے مبعوث ہوئے ہیں۔ از روئے الفاظِ قرآنی :

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَاۗفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ..... ﴾ (سبا : ۲۸)

"اور (اے نبی!) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر پوری نوعِ انسانی کے لئے بشیر اور نذیر بنا کر۔"

یہ آیت تو بعد میں نازل ہوئی تھی' حضور ﷺ نے تو یہ بات اپنے بالکل ابتدائی خطبے میں ارشاد فرما دی تھی۔ جب آپؐ نے بنو ہاشم کو دعوت دے کر جمع کیا اور کھانا کھلایا تو اس موقع پر آپؐ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا اس میں یہ الفاظ موجود ہیں :

((وَاللّٰهِ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِنِّيْ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ خَاصَّةً وَاِلَى النَّاسِ كَافَّةً))

"اُس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے' میں اللہ کا رسول ہوں تمہاری طرف بالخصوص اور پوری نوعِ انسانی کی طرف بالعموم۔"

اب ظاہر بات ہے کہ دعوت و تبلیغ کا یہ حق کون ادا کرے گا؟ امت کے خلاف

شہادت تو محمدؐ رسول اللہ ﷺ دیں گے کہ اے اللہ! تیرا جو پیغام آیا تھا وہ میں نے ان کو پہنچا دیا تھا۔ اسی لئے حجۃ الوداع میں آپؐ نے ایک لاکھ سے زائد مجمع سے یہ گواہی لے لی : ((اَلاَ هَلْ بَلَّغْتُ)) "لوگو! میں نے (اللہ کا پیغام) پہنچا دیا یا نہیں؟" جواب میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا :

((اِنَّا نَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ وَاَدَّيْتَ الْاَمَانَةَ وَنَصَحْتَ الْاُمَّةَ وَكَشَفْتَ الْغُمَّةَ))

"ہاں! ہم گواہ ہیں کہ آپؐ نے رسالت کا حق ادا کر دیا ہے' امانت کا حق ادا کر دیا ہے' امت کی خیر خواہی کا حق ادا کر دیا ہے' اور آپؐ نے تمام ضلالتوں اور گمراہیوں کے اندھیروں کو چھانٹ کر رکھ دیا ہے۔"

یہ گواہی تین دفعہ دہرائی گئی۔ اس کے بعد آنحضور ﷺ نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور فرمایا : "اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ! اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ!" اے اللہ تو بھی گواہ رہ! اے اللہ تو بھی گواہ رہ! پھر آپؐ نے فرمایا : ((فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ)) یعنی "اب یہ ان کی ذمہ داری ہے جو یہاں موجود ہیں کہ پہنچائیں ان کو جو یہاں موجود نہیں ہیں"۔ اس میں وہ تمام انسان شامل ہو گئے جو اُس وقت موجود تھے اور جو موجود نہیں تھے اور جو قیامت تک دنیا میں آئیں گے۔ یہی وہ شہادت علی الناس کی ذمہ داری ہے جس کے لئے اس امت کی تشکیل ہوئی ہے۔ چنانچہ سورۃ الحج کی مذکورہ بالا آیت آپ نے ملاحظہ کی جس میں فرمایا گیا :

﴿ اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ۭ ﴾

"اللہ پسند کر لیتا ہے اپنے فرشتوں میں سے بھی پیغامبر اور انسانوں میں سے بھی۔"

اور آخری آیت میں فرمایا :

﴿ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۭ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ . . . . ﴾

(الحج : ۷۸)

"اور جہاد کرو اللہ کی خاطر جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔ اس نے تمہیں (اپنے کام کے لئے بحیثیتِ اُمّت) چن لیا ہے۔"

پہلے رسالت کی دو کڑیاں تھیں' رسولِ ملک اور رسولِ بشر' اور اب رسالت کی تیسری کڑی یہ اُمت ہے' جس کے ذمے پوری نوعِ انسانی تک شہادت علی النّاس کا فریضہ ادا

کرنا ہے۔ چنانچہ اسی آیت کے آخر میں یہ الفاظ وارد ہوئے :

﴿ لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚ ﴾

"تاکہ رسول تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ ہو"

سورۃ البقرۃ میں اس مضمون کو کھول کر بیان فرمایا گیا کہ اس امت کی تاسیس کی غرض و غایت ہی یہ ہے :

﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ ﴾ (البقرۃ : ۱۴۳)

"اور اسی طرح ہم نے تم کو ایک اُمّتِ وسط بنایا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو۔"

ظاہر بات ہے یہ کام محنت و مشقت چاہتا ہے' اس کے لئے جان' مال اور وقت صرف کرنا پڑتا ہے۔ دعوت کو انسانوں تک پہنچا دینا آسان کام نہیں ہے۔

جہاد فی سبیل اللہ کی اس دوسری منزل کے مزید تین درجات ہیں' جو سورۃ النحل میں بیان ہوئے ہیں۔ فرمایا :

﴿ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝ ﴾ (النحل : ۱۲۵)

"(اے نبیؐ !) اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دیجئے حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ' اور لوگوں سے مباحثہ کیجئے ایسے طریقے پر جو بہترین ہو۔ آپ کا رب ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور کون راہِ راست پر ہے۔"

اس آیت میں سوسائٹی کے اندر موجود تین طبقات کی نشاندہی کی گئی ہے اور دعوت و تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیتے ہوئے ان طبقات کی ذہنی سطح کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ لوگوں نے دعوت و تبلیغ کو بہت آسان کام سمجھ رکھا ہے ع "لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا!" گویا کہ دعوت و تبلیغ بہت آسان کام ہے کہ تقریر کی' قصے کہانیاں بیان کئے اور کہہ دیا : "وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ" ۔ گویا کہ ہم نے بلاغ کی ذمہ داری ادا کر دی ہے۔

۱۔ از روئے قرآن بلاغ و تبلیغ کے تقاضوں میں سرفہرست "دعوت بالحکمة" ہے' یعنی حکمت اور دانائی کے ساتھ دعوت۔ اس حکمت و دانائی کو عام لوگوں نے غلط فہمی کی بنا پر حکمت عملی سمجھا ہے' یعنی آدمی کو دیکھو' اس کی نفسیات وغیرہ مدنظر رکھو۔ اس بات کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ اس کی نفی نہیں' لیکن یہاں "بِالحکمة" ان معنوں میں نہیں آیا' بلکہ "المَوعظة الحَسنة" کے مقابلے میں آ رہا ہے' یعنی دلیل' برہان argument کے ساتھ دعوت دی جائے۔ قرآن اپنے مخالفین سے دلیل مانگتا ہے :
﴿قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ "کہہ دیجئے کہ اپنی دلیل پیش کرو اگر تم سچے ہو"۔ مخالفین کو بھی حق حاصل ہے کہ وہ اسلام کے مبلغین سے دلیل اور برہان طلب کریں اور اپنے اعتراضات کے جواب مانگیں۔

اس حوالے سے نوٹ کر لیجئے کہ انسانی معاشرے میں ایک طبقہ ایسا ہوتا ہے جسے معاشرے کے دماغ کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ جیسے کہ انسان کے جسم میں موجود دماغ (جو بمشکل نصف سیر کا ہو گا) دو من وزنی جسم کو کنٹرول کرتا ہے اور پورا جسم اس کے کنٹرول میں ہوتا ہے۔ ہاتھ کسی شے کو پکڑیں یا نہ پکڑیں اس کا فیصلہ یہاں ہوتا ہے۔ سامنے لکڑی ہے یا سانپ' اسے پکڑنا ہے یا نہیں پکڑنا' اس کی معلومات یہاں سے دی جاتی ہیں۔ ہاتھ لکڑی کو پکڑنے کے لئے آگے بڑھ گیا تھا لیکن اسے فوراً روک لیا گیا کہ یہ تو سانپ ہے۔ یہ سب کنٹرول دماغ سے ہو رہا ہے۔ پاؤں ہمیں لے کر کدھر جائیں کدھر نہ جائیں' اس کا فیصلہ یہاں ہوتا ہے۔ انسانی معاشرہ بھی بالکل اسی طرح ایک زندہ وجود کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کا ایک طبقہ اس کا Brain Trust کہلاتا ہے۔ یہ طبقہ Intelligentsia یا Intellectual Elite پر مشتمل ہوتا ہے' جو سوچنے سمجھنے والوں کا طبقہ ہے۔ وہ طے کرتے ہیں کہ معاشرے میں کس چیز کا فروغ ہونا ہے اور کس چیز کو روک دیا جانا ہے' کدھر بڑھنا ہے اور کدھر سے پیچھے ہٹ جانا ہے۔ جبکہ پوری قوم کا معاملہ ہاتھ اور پاؤں کی طرح ہوتا ہے۔

آپ کو معلوم ہے ہر انقلابی عمل میں سب سے پہلے انقلابی نظریہ کو معاشرے کا ذہین طبقہ قبول کرتا ہے' اور پھر وہ اس بات کو نیچے تک پہنچاتا ہے۔ اس طبقہ کے لئے' ظاہر بات ہے' وعظ و نصیحت مؤثر نہیں۔ کیونکہ ان کے دماغوں کے اندر مختلف نظریات' اقدار اور

خیالات نے ڈیرے جما رکھے ہوتے ہیں۔ کہیں ڈارون ازم ہے تو کہیں مارکسزم' کہیں Lojical Positivism ہے اور کہیں Existentialism ہے۔ نامعلوم اس طرح کے کتنے بے شمار ازم ہیں' ان کا توڑ آپ کو کرنا پڑے گا' اور وہ توڑ دلائل و براہین کے ساتھ کرنا ہوگا۔ ان کا دماغ ایک حجاب ہے جس کے باعث آپ ان کے دل تک نہیں پہنچ سکتے۔ ان کے دماغ میں ان نظریات نے ایک Barrier کی شکل اختیار کر رکھی ہے۔ چنانچہ پہلے اس رکاوٹ کو توڑ کر اس کے اندر سے گزرنا ہوگا۔ اس کے لئے ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو ان سے اسی سطح پر بات کر سکیں۔ اور یہ اسی صورت میں ہوگا جبکہ وہ ان نظریات سے کماحقہ واقف ہوں اور وہ ان پر ایسی معقول تنقید کر سکیں جو مدلل اور منطقی ہو۔ وہاں فتویٰ سے کام نہیں چلے گا' وہاں تو دلائل سے بات کرنا ہوگی' اس لئے کہ قرآن و حدیث کو تو وہ مانتے ہی نہیں۔ جب تک یہ کام نہیں ہوتا آپ اس Intelligentsia کو قائل نہیں کر سکتے۔

سو فیصد تو کوئی بھی قوم تبدیل نہیں ہوتی' لیکن قوم کی واضح اکثریت کے نظریات کو تبدیل کرنے کے لئے اس ذہین طبقہ کے اندر ایسا مضبوط نیوکلیئس پیدا ہونا ضروری ہے جو علیٰ وجہ البصیرت اللہ' آخرت اور نبوت و رسالت پر یقین رکھتا ہو' جسے اسلام پر پورا شرحِ صدر حاصل ہو اور وہ اپنی دعوت کے ذریعے ان کے نظریات کی نفی کرے۔ جیسے امام غزالیؒ نے "تہافت الفلاسفہ" لکھی یا امام ابنِ تیمیہؒ نے "الرّد علی المَنطِقِیین" لکھی تو انہوں نے اہل فلسفہ و منطق سے اپنا لوہا منوایا۔ لیکن اس کے لئے پہلے غزالی بننا پڑے گا اور پہلے امام ابنِ تیمیہ کے مقام تک رسائی حاصل کرنا ہوگی۔ اور یہ زندگی بھر کی جدوجہد ہے۔ دنیا میں بڑے شاندار کیریئرز ہیں' اچھی تنخواہیں مل رہی ہیں' مراعات حاصل ہیں' ان سب کو چھوڑ کر فکر انسانی کا تجزیہ کرکے فکر انسانی کی تاریخ کا جائزہ لینا ہوگا اور موجودہ فکر کا صغریٰ کبریٰ جوڑنا ہوگا کہ اس میں کہاں ٹیڑھ یا خرابی آئی ہے۔ ظاہر بات ہے باطل محض تو کوئی نظریہ بھی نہیں ہے' باطل محض کا تو کوئی وجود ہی نہیں۔ باطل ہمیشہ حق کے کسی جزو کو لے کر اس پر اپنا تانا بانا بنتا ہے۔ باطل اس کے بغیر کھڑا رہ ہی نہیں سکتا۔ وہ تو حق کا کوئی جزو لیتا ہے اور اس پر باطل کے ردے چڑھاتا ہے' اس کے بل پر وہ اپنا وجود برقرار رکھتا ہے۔ آپ کو یہ تجزیہ کرنا پڑے گا کہ اس میں حق کتنا ہے اور باطل کتنا

ہے، صحیح کتنا ہے اور غلط کتنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ سے فرمایا :

﴿ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ﴾

(یوسف : ۱۰۸)

"(اے نبیؐ!) کہہ دیجئے کہ لوگو! یہ میرا راستہ ہے، میں اللہ کی طرف بلا رہا ہوں، میں خود بھی پوری روشنی میں اپنا راستہ دیکھ رہا ہوں اور میرے ساتھی بھی۔"

میں اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں نہیں مار رہا ہوں۔

علیٰ وجہ البصیرت ایمان حاصل کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ پھر اس بصیرت کی روشنی میں ان تمام علوم و افکار کا تجزیہ کرنا آسان کام تو نہیں۔ اس میں اپنے آپ کو بالکلیہ لگا دینا پڑے گا۔ یہ تو پوری زندگی کا عمل ہے۔ دنیاوی مثالیں بھی ہمارے سامنے ہیں۔ جب مارکس اپنی کتاب "داس کیپٹل" لکھ رہا تھا تو اسے فاقوں کا سامنا کرنا پڑا۔ جب بھی کوئی تخلیقی (Creative) کام ہوا ہے تو وہ فاقوں کے ساتھ ہوا ہے۔ یہ نہیں کہ بڑے بڑے تحقیقی اداروں کی طرف سے تنخواہیں مل رہی ہوں۔ وہاں کوئی تخلیقی کام نہیں ہوا کرتا۔ وہاں تحقیقی کام ہو جاتے ہیں کہ کوئی پرانا مخطوطہ لے کر اس کی ایڈیٹنگ کر دی اور اس کی احادیث کی تخریج کر دی تو ڈاکٹریٹ کی ڈگری لے لی۔ دنیا میں جہاں بھی تخلیقی کام ہوئے ہیں وہ فقر و فاقہ کے ساتھ ہوئے ہیں۔

۴۔ دعوت بِالحِکمۃ کے بعد دوسرا درجہ بِالمَوعظۃ الحَسنۃ کا ہے، جس کے مخاطب عوام النّاس ہوتے ہیں، جن کے ذہن خالی سلیٹ کی مانند ہیں، آپ جو چاہیں اس پر لکھ دیں۔ ان لوگوں کے دل و دماغ میں کوئی خنّاس نہیں اور انہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ ڈارون کس بلا کا نام ہے اور فرائڈ کس چڑیا کا نام ہے۔ ان کے لئے تو "از دل خیزد بر دل ریزد" والا معاملہ ہے کہ جو بات آپ کہیں گے اور وہ بات آپ کے دماغ سے نہیں بلکہ آپ کے دل سے نکلی ہو، چاہے وہ مرصّع زبان میں نہ بھی ہو، ٹوٹی پھوٹی زبان میں ہو، لیکن خلوص کے ساتھ دل سے نکلی ہوئی ہو تو وہ دل میں سیدھی اتر جائے گی۔

اس کے لئے دوسرا تقاضا پھر یہ ہے کہ آپ جس چیز کی دعوت دے رہے ہیں اس کا خود بھی نمونہ ہوں :

﴿ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ

مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ O ﴾ (حٰمٓ السجدة : ۳۳)

"اور اُس شخص کی بات سے اچھی بات اور کس کی ہو گی جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیا اور کہا کہ میں خود بھی فرماں برداروں میں سے ہوں۔"

آپ اُس پر اپنی شخصیت کی دھونس جمانے کی کوشش نہ کیجئے' بلکہ کہیں کہ میں بھی ایک ادنیٰ مسلمان ہوں۔ یہ دعوت "بِالمَوعظة الحَسنة" عوام الناس کے لئے ہے اور یہ انتہائی مؤثر ہے' اس کا بہت فائدہ ہے۔ اگرچہ جب تک ایک معاشرے کے اُس intelligentsia یا ذہین اقلیت (Intellectual Minority) یا Brain Trust میں ایک مضبوط نیو کلیئس قائم نہیں ہو گا اُس وقت تک معاشرے میں بحیثیت مجموعی کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔ دعوت کے نتیجے میں اگر لاکھوں عوام کے اندر تبدیلی آجائے' ان کی زندگی کے شب و روز بدل جائیں' ان میں نماز روزے کا اہتمام ہو جائے اور وہ اپنی وضع قطع بھی صحیح کرلیں' لیکن اگر اوپر کے Brain Trust یا Intelligentisia میں ایک مضبوط نیو کلیئس موجود نہیں ہے اور اس نے اپنے آپ کو منوا کر معاشرے پر اپنی چھاپ نہیں ڈال دی اور دوسرے لوگوں پر اتمامِ حجت نہیں کر دیا تب تک معاشرہ بحیثیت مجموعی کسی تبدیلی کو قبول نہیں کرے گا۔

۳۔ دعوت کا تیسرا درجہ "جدال حسنہ" کا ہے : ﴿ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ﴾ "اور ان سے جھگڑا کرو بڑے عمدہ طریقے سے"۔ یہ جدال کن لوگوں کے خلاف ہو گا؟ ظاہر ہے ؎ "ریختہ کے تمہی استاد نہیں ہو غالب!" کے مصداق اس معاشرہ میں صرف آپ ہی دعوت و تبلیغ میں سرگرم نہیں ہیں' یہاں عیسائی مشنریز بھی کام کر رہی ہیں' قادیانی مبلغین اور بہائی بھی اپنی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہیں' ان کے ساتھ آپ کو مجادلہ کرنا پڑے گا۔ ان لوگوں نے اس کام کو بطورِ پیشہ اپنایا ہے اور انہیں اس کی تنخواہ ملتی ہے۔ وہ اس کام کے لئے پوری طرح تیاری کرتے ہیں اور تربیت لیتے ہیں۔ چنانچہ دعوت و تبلیغ کے میدان میں ان سے جدال یعنی بحث و مباحثہ کرنا پڑے گا تاکہ ان کو چپ کرایا جاسکے' ورنہ عوام الناس پر ان کا اثر ہو گا۔ اس کے لئے ہمارے ہاں خاص طور پر مناظرہ کا فن بنا ہے۔ مناظرہ میں یہ پیش نظر نہیں ہوتا کہ اپنے مخاطب مدمقابل کو قائل کیا جائے' بلکہ اسے خاموش کرانا پیش نظر ہوتا ہے۔ اور اس کے لئے بعض حضرات نے آیتِ

قرآنی سے دلیل اختیار کی ہے :

﴿ وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۡ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ .... ﴾ (العنکبوت : ۴۶)

"اور اہل کتاب سے بحث نہ کرو مگر عمدہ طریقے سے 'سوائے ان لوگوں کے جو اُن میں سے ظالم ہوں۔"

تو معلوم ہوا کہ ان کے ساتھ مجادلہ کے ذرا سخت انداز یعنی مناظرہ کی بھی ضرورت ہے۔ چنانچہ ہمارے ہاں اس مناظرہ کے فن نے جنم لیا۔ گزشتہ صدی میں ہمارے ہاں نو آبادیاتی حکمرانی کا جو دَور تھا وہ مسلمانوں کے لئے بہت شکست خوردہ اور مرعوبیت کا دَور تھا۔ اس کے دَوران ہندوستان بھر میں مشنریز کا سیلاب آگیا۔ اُس وقت ایک انگریز پادری فنڈر آیا جو کلکتے سے شروع ہو کر دلی تک پہنچ گیا اور اس نے تمام بڑے بڑے شہروں میں مسلمان علماء کو مناظروں کے اندر شکست دی' جس سے ہندوستان بھر میں کھلبلی مچ گئی۔ دہلی آکر اس نے جامع مسجد کی سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ میں کلکتے سے چل کر یہاں تک پہنچ گیا ہوں اور کوئی مسلمان عالمِ دین میرا مقابلہ نہیں کر سکا' میں بہت سے علماء کو شکست دے کر آیا ہوں' اور اب میں پورے ہندوستان کے علماء کو چیلنج کر رہا ہوں کہ اگر کسی میں ہمّت ہے تو میرے مقابلے میں آئے۔ ذرا سوچئے کہ اگر اُس وقت اس کے مقابلے میں کوئی نہ آتا تو عوام پر کیا اثر ہوتا۔ ایک طرف سیاسی محکومی اور اس کی مرعوبیت تھی' دوسری طرف ہمارے علماء اس پادری کے مقابلے میں خاموش تھے' ان کے پاس کوئی دلیل ہی نہیں تھی۔ رہے عوام تو ان کے پاس تو کچھ بھی نہیں تھا۔ نہ وہ قرآن سے واقف تھے نہ حدیث سے' اور نہ انہیں عربی زبان کی کوئی شُدبُد تھی۔ ان کا تکیہ تو علماء پر تھا' اگر ان میں سے کوئی بھی خم ٹھونک کر اس کا مقابلہ نہ کرتا تو پھر یہاں عیسائیت کا ایک سیلاب آ جاتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہوا کہ مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ میدان میں آئے اور انہوں نے اس سے مناظرہ کر کے اسے شکست دی' جس کے بعد وہ ہندوستان چھوڑ کر بھاگ گیا۔ لگتا ہے غیرت مند آدمی تھا جو یہاں نہیں رکا' اس نے ترکی میں جا اڈا لگایا۔ رحمت اللہ کیرانوی صاحب حج کے لئے گئے ہوئے تھے اور حجاز کا علاقہ اس وقت خلافتِ عثمانیہ کے زیرِ نگیں تھا۔ انہیں وہاں خلافتِ عثمانیہ کا پیغام موصول ہوا کہ آپ ترکی

تشریف لائیے' یہاں پر اسی پادری نے' جسے آپ نے ہندوستان میں شکستِ فاش دی تھی' ہمارے علماء کا ناطقہ بند کر رکھا ہے۔ جب اسے علم ہوا کہ رحمت اللہ کیرانوی آرہے ہیں تو وہ وہاں سے بھی بھاگ گیا۔ عیسائیوں کے اعتراضات کے جوابات میں مولانا نے "اظہار الحق" کے نام سے کتاب لکھی تھی' پھر جس کا خود ترجمہ بھی کیا اور اس پر حواشی بھی لکھے۔ اس کتاب پر مفتی تقی عثمانی صاحب نے بھی کچھ نوٹس لکھے ہیں۔ بہرحال مجادلہ و مناظرہ بھی دعوت کے ضمن میں ایک اہم ضرورت ہے' لیکن عام طور پر "دعوت" کا تقاضا یہ ہے کہ آپ اپنے مخاطب کو اچھے اور خوبصورت انداز میں قائل کرنے کی کوشش کریں۔

"دعوت" یا "باطل عقائد و نظریات کے خلاف جہاد" کے یہ جو تینوں مراحل میں نے بیان کئے ہیں' ظاہر ہے اس کے لئے محنت کرنی پڑے گی۔ اس کے لئے پہلے آپ خود علم حاصل کریں گے' اسے آگے پہنچائیں گے۔ اسلام پر آپ کو جب شرح صدر حاصل ہو گا تب ہی آپ اسلام کی دعوت دیں گے۔ جب آپ کو علیٰ وجہ البصیرت ایمان حاصل ہو گا تب ہی آپ کسی کو اس طرف بلائیں گے۔ لہٰذا اس کے لئے محنت' کوشش اور جدوجہد کرنا' تیاری کرنا اور علم حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔ اس ضمن میں یہ حدیث پیش نظر رہنی چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : ((مَنْ جَاءَهُ الْمَوْتُ وَهُوَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ لِيُحْيِيَ بِهِ الْإِسْلَامَ فَبَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّبِيِّيْنَ دَرَجَةٌ وَّاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ)) یعنی جس شخص کو اس حالت میں موت آگئی کہ وہ ابھی علم کے حصول میں لگا ہوا تھا' لیکن اس کی نیت یہ تھی کہ اس کے ذریعے اسلام کو زندہ کرے گا' تو اس کے اور انبیاء کے درمیان جنت میں صرف ایک درجے کا فرق رہ جائے گا۔" غور کیجئے کہ ابھی اس کی عملی جدوجُہد شروع نہیں ہوئی' لیکن اس کی نیت یہ ہے کہ اسلام کو زندہ کرنا ہے' اسلام کو غالب کرنا ہے' اس کے غلبے کی جدوجہد میں اپنے آپ کو لگانا ہے اور اس کے لئے مجھے علم درکار ہے' جب تک میں علم کے ہتھیار سے مسلح نہ ہو جاؤں تو دعوت و تبلیغ کا کام کیسے ہو گا' تو ایسے شخص کے لئے کتنی بڑی بشارت ہے!

قرآن بحیثیت آلۂ جہاد

جہاد فی سبیل اللہ کی ان دو منزلوں (جہاد مع النفس اور دعوت) پر جہاد کے لئے ہتھیار صرف ایک ہے' اور وہ قرآن ہے۔ نفس کے خلاف جہاد کے لئے بھی آپ کو جو تلوار

درکار ہے وہ قرآن ہے۔ اگر آپ کے وجود میں شیطان سرایت کر سکتا ہے تو قرآن مجید بھی آپ کے وجود میں سرایت کر جائے گا۔ زہر کا اثر اگر جسم میں کسی ایک جگہ ہو تو اس کا مقامی طور پر علاج کفایت کرے گا' لیکن زہر اگر پورے جسم میں پھیل گیا ہو تو آپ کو وہ تریاق چاہئے جو پورے جسم کے اندر پھیل سکے اور وہ صرف قرآن ہے۔ چنانچہ علامہ اقبال نے اسے بڑی خوبصورتی سے بیان کیا ہے ؎

کشتنِ ابلیس کارے مشکل است
زانکہ او گم اندر اعماقِ دل است!
خوشتر آں باشد مسلمانش کنی!
کشتۂ شمشیرِ قرآنش کنی!!

اس شعر میں دو حدیثوں کے مفہوم کو جمع کر لیا گیا ہے۔ ایک تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان ہے۔ کسی نے پوچھ لیا کہ کیا آپؐ کے ساتھ بھی ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا : ہاں ہے' لیکن میں نے اسے مسلمان کر لیا ہے۔ آپؐ کے فرمان کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ میں اس کی ایذاء سے امن و سلامتی میں ہوں اور وہ مجھے گزند نہیں پہنچا سکتا۔

دوسری حدیث یہ ہے کہ شیطان تو انسان کے جسم میں خون کی طرح گردش کرتا ہے۔ ان دونوں حدیثوں کے مفاہیم کو علامہ اقبال نے اپنے ان دو اشعار میں سمو دیا ہے۔ چنانچہ علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ ابلیس کو ہلاک کر دینا مشکل کام ہے' وہ تو دل کی گہرائیوں میں جا کر بیٹھ جاتا ہے۔ اب ظاہر بات ہے کہ پورا دورانِ خون تو دل ہی کی وجہ سے ہے۔ لہٰذا وہ خون کے ساتھ انسان کے جسم میں گردش کرتا ہے۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اسے مسلمان بناؤ! اور یہ مسلمان ایسے بنے گا کہ قرآن کی شمشیر سے اس کا قلع قمع کر دو!

یہ قرآن انسان کے قلبی' باطنی اور روحانی امراض یعنی حسد' تکبر' بغض' عناد' حُبِّ مال' حُبِّ جاہ کے لئے شفاء ہے۔ اس کے بارے میں سورۂ یونس میں فرمایا گیا :

﴿ يَاأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ ۝ ﴾ [یونس : ۵۷، ۵۸]

"لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آگئی ہے۔ یہ وہ چیز ہے جو دلوں کے امراض کی شفاء ہے اور جو اسے قبول کرلیں ان کے لئے رہنمائی اور رحمت ہے۔ اے نبیؐ! کہو کہ یہ اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی ہے کہ یہ چیز اس نے بھیجی۔ پس یہ وہ چیز ہے جس پر لوگوں کو خوشی منانی چاہئے۔ یہ ان سب چیزوں سے بہتر ہے جنہیں لوگ سمیٹ رہے ہیں۔"

چنانچہ شیطان کے خلاف جہاد کے لئے بھی ہتھیار قرآن ہے اور اپنے نفس کے خلاف جہاد کے لئے بھی ہتھیار قرآن ہی ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ حکمت کا منبع اور سرچشمہ بھی قرآن ہی ہے۔ قرآن کے اندر غواصی کیجئے' غور و خوض کیجئے' اس میں غوطہ زنی کیجئے۔ ع

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلمان!

مولانا روم نے کہا تھا کہ :

چند خوانی حکمتِ یونانیاں
حکمتِ قرآنیاں را ہم بخواں!

یعنی تم کب تک یونانیوں کا فلسفہ پڑھتے رہو گے' کبھی حکمتِ قرآنی اور حکمتِ ایمانی بھی تو پڑھو! قرآن کہتا ہے ﴿ ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ ﴾ (بنی اسرائیل : ۳۹) "اے نبیؐ! یہ باتیں اس حکمت میں سے ہیں جو آپ کے رب نے آپ کی طرف نازل کی ہیں۔" اور حضور ﷺ کی تعلیم و تربیت کی بلند ترین منزل یہی حکمت ہے : ﴿ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ نبی اکرم ﷺ کے بنیادی طریق کار یا انقلابِ نبویؐ کے اساسی منہاج کے عناصر چہارگانہ قرآن حکیم میں چار مقامات پر بیان ہوئے ہیں' ان میں تین مقامات پر ترتیب یہی ہے' صرف ایک مقام پر ذرا بدلی ہوئی ہے جو حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی دعا پر مشتمل ہے ﴿ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ﴾ (البقرہ : ۱۲۹) لیکن بقیہ تینوں مقامات پر' جہاں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات آئی ہے' ترتیب اس طرح ہے : (۱) تلاوتِ آیات (۲) تزکیہ (۳) تعلیم کتاب (۴) تعلیمِ حکمت۔ چنانچہ سورۃ البقرۃ میں دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا :

﴿ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلاً مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ (آیت ۱۵۱)

پھر سورۂ آل عمران میں فرمایا :

﴿ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ (آیت ۱۶۴)

سورۃ الجمعہ میں یہ عناصر چہارگانہ بایں الفاظ بیان ہوئے :

﴿ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ (آیت ۲)

ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم نے حکمت کو بالکل نظرانداز کر دیا اور اس کے لئے قرآن مجید کی طرف ہمارا رجوع نہیں رہا' جو حکمت کا سب سے بڑا منبع و سرچشمہ ہے۔ پھر ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہمارے ہاں بہت طویل عرصے تک "حکمت" تو درحقیقت حکمت یونان ہی کو قرار دیا جاتا رہا ہے۔ وہیں کے فلسفہ اور منطق نے ہمارے ہاں فروغ پایا اور عام طور پر ہمارے بڑے سے بڑے علماء بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہوئے ـــــ الا ماشاء اللہ ـــــ وہ تو چند لوگ ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ "توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طلسم سامری" کے مصداق پیدا کرتا ہے۔ امام غزالیؒ اور ابن تیمیہؒ تو بہرحال ایک ہی بار پیدا ہوتے ہیں۔ شاہ ولی اللہؒ بھی روز روز پیدا نہیں ہوتے۔ ہمارے ہاں عام طور پر تصور یہی رہا ہے کہ حکمت تو وہی ہے "حکمت یونانیاں۔" چنانچہ عالم اسلام میں ارسطو کی منطق کا صدیوں تک ڈنکا بجتا رہا۔ ابن سینا' فارابی' کندی اور ابن رشد کون تھے؟ یہ سب کے سب ارسطو کی منطق کے ڈسے ہوئے تھے ؎

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے
اُس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے!

اس حوالے سے حکمت کا منبع و سرچشمہ بھی قرآن مجید ہے' پھر یہ کہ موعظہ حسنہ بھی قرآن ہے' اور جدال کے لئے سارا مواد بھی قرآن حکیم میں موجود ہے۔ کفار و مشرکین' ملحدین اور مادہ پرستوں کے خلاف جدال کے دلائل قرآن میں موجود ہیں۔ گویا کہ جہاد فی سبیل اللہ کی پہلی اور دوسری منزل پر جو ہتھیار درکار ہے وہ قرآن ہے۔

اس ضمن میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ ان دونوں منزلوں پر کسی جماعت کی ضرورت نہیں' یہ کام انفرادی طور پر بھی ہو سکتا ہے۔ ایک شخص اپنے نفس اور اپنے شیطان کے خلاف جہاد خود کر سکتا ہے' اس کے لئے جماعت لازم نہیں۔ اسی طرح ایک شخص داعی بن کر کھڑا رہے اور لوگوں کو اللہ کا بندہ بننے کی دعوت دیتا رہے تو یہ کام وہ انفرادی حیثیت میں کر سکتا ہے۔ اس ضمن میں سب سے اعلیٰ مثال حضرت نوح علیہ السلام کی موجود ہے جو ساڑھے نو سو برس تک قوم کو دعوت دیتے رہے۔ چنانچہ یہ کام انفرادی طور پر بھی ہو سکتے ہیں۔ البتہ پہلی منزل پر اگر کچھ ایسے لوگوں کی صحبت نصیب ہو جائے جو اسی کشاکش میں لگے ہوئے ہوں' تو ﴿كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ کے مصداق ان کی معیت اور صحبت اختیار کی جانی چاہئے۔ وہ صادقین کون ہیں؟ قرآن کے الفاظ میں

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ ﴾

(الحجرات : ۱۵)

"یقیناً مؤمن تو صرف وہ ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر' پھر شک میں نہ پڑے' اور انہوں نے جہاد کیا اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ۔ یہی سچے لوگ ہیں۔"

چنانچہ اگر آپ ایسے صادقین کی تلاش کر کے ان کی صحبت حاصل کریں اور ان کے ساتھ رہیں' اس سے یقیناً آپ اُن کا رنگ اختیار کریں گے۔ لیکن لازم نہیں ہے کہ کوئی منظم جماعت ہو۔ اسی طرح دعوت و تبلیغ کا جہاد انفرادی طور پر بھی ہو سکتا ہے' شاہ ولی اللہ نے یہ کام خالص انفرادی طور پر کیا' ان کی نہ کوئی انجمن تھی نہ ادارہ تھا۔ لیکن اگر اس معاملے میں کوئی انجمنیں' درس گاہیں یا ریسرچ کے ادارے وجود میں آ جائیں تو یقیناً یہ مفید ہو گا۔ اور اس کام کی کسی حد تک ضرورت بھی ہے کہ ایسے اشاعتی ادارے قائم ہوں جو مختلف زبانوں میں قرآن حکیم کے تراجم اور تشریحی نوٹس مرتب کر رہے ہیں۔

③ جہاد کی بلند ترین منزل "اقامت دین"

جہاد فی سبیل اللہ کی بلند ترین منزل نظام کی سطح پر جہاد' یعنی نظام کو بدلنے کی جدوجہد ہے۔ یہ اللہ کے دین کے غلبہ کے لئے باطل نظام اور طاغوت کے خلاف جہاد ہے۔ اس کے

لئے قرآن مجید میں مختلف اصطلاحات آئی ہیں۔ ان میں سے ایک اصطلاح "تکبیرِ رب" ہے۔ فرمایا : ﴿ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ ﴾ یعنی اپنے رب کی کبریائی کا نظام قائم کرو' اپنے رب کی تکبیر کرو۔ اپنے رب کو بڑا کرو۔ کیا معنی؟ رب تو خود بڑا ہے' اس کو کیسے بڑا کیا جائے؟ وہ بلاشک و شبہ بڑا ہے' لیکن اس کی بڑائی مانی نہیں جا رہی۔ اس کی بڑائی منواؤ! سورۃ المدّثر کی ابتدائی تین آیات میں سے دوسری آیت میں جہاد فی سبیل اللہ کی دوسری منزل کا ذکر ہے اور پھر تیسری آیت میں تیسری منزل کا ذکر ہے۔ ﴿ يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ ﴾ "اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے! اٹھو اور خبردار کرو!! اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو!!!" یعنی دعوت کا آغاز انذار سے کرو اور پھر اپنے رب کی کبریائی قائم کرو۔

اس ضمن میں دوسری اصطلاح "اقامت دین" کی ہے۔ فرمایا :

﴿ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ ۚ ﴾ (الشوریٰ : ۱۳)

"کہ قائم کرو اس دین کو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ۔"

تکبیرِ رب اور اقامت دین ہم معنی اصطلاحیں ہیں۔

قرآن حکیم میں نبی اکرم ﷺ کا مقصد بعثت تین مرتبہ ان الفاظ میں بیان ہوا ہے :

﴿ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ ... ﴾ (التوبۃ : ۳۳' الفتح : ۲۸' الصف : ۹)

"وہی ہے (اللہ) جس نے بھیجا اپنے رسول (محمد ﷺ) کو الہدیٰ (قرآن حکیم) اور دین حق کے ساتھ تاکہ اسے پوری جنس دین پر غالب کر دے (یا تمام ادیان پر غالب کر دے)"

اس ضمن میں سورۃ الانفال (آیت ۳۹) میں فرمایا :

﴿ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ ۚ ﴾

"اور ان (کفار و مشرکین) سے اُس وقت تک قتال کرو جب تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور نظام کل کا کل اللہ کے حکم کے تابع ہو جائے۔"

اسی کو جدید اصطلاح میں "اسلامی انقلاب" کا نام دیا جاتا ہے۔ اسی کے لئے مولانا ابوالکلام آزاد نے "حکومت الٰہیہ کے قیام" کا نعرہ لگایا۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے

جب اپنی جدّوجہد کا آغاز کیا اور جماعت اسلامی قائم کی تو حکومت الٰہیہ ہی کو اپنا نصب العین قرار دیا۔ اسی پر علامہ مشرقی اور خیری برادران نے بھی کام کیا۔

پی این اے کی اینٹی بھٹو تحریک میں نظامِ مصطفیٰ ﷺ کی اصطلاح اپنائی گئی۔ اسی کے لئے نظامِ اسلامی اور نظامِ خلافت کی اصطلاحات استعمال کی جاتی ہیں' جن کا مفہوم ایک ہی ہے ع "عبارتنا شتّٰی وَحُسنكَ واحدٌ" (ہماری عبارتیں مختلف ہیں' لیکن اے اللہ! تیرا حسن و جمال تو اپنی جگہ ایک وحدت ہے)

اس ضمن میں استعمال ہونے والی اصطلاحات میں سے بعض اعتبارات سے اہم ترین بائبل کی اصطلاح "Kingdom of Heaven on the Earth" (زمین پر آسمانی حکومت کا قیام) ہے۔ ان کی Lord's Prayed کے الفاظ ہیں :

Thy Kingdom Come,

Thy will be done on earth

as it is in heavens.

"اے رب! تیری حکومت قائم ہو' اے رب! جس طرح تیری مرضی آسمانوں پر پوری ہو رہی ہے اسی طرح زمین پر بھی پوری ہو!"۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مشہور جملہ ہے۔ Repent for the Kingdom of heaven is at hand "توبہ کرو' اس لئے کہ آسمانی بادشاہت آیا چاہتی ہے!" یہ اشارہ محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف تھا۔ آسمانی بادشاہت محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعے قائم ہوئی ہے۔ بہرحال اس ضمن میں بے شمار اصطلاحات موجود ہیں۔

اقامت دین کی شرطِ لازم : منظم جماعت

اقامت دین کے مراحل بیان کرنے سے پہلے اس کی شرطِ لازم جان لیجئے۔ جہاد فی سبیل اللہ کی پہلی دو منزلوں پر اصل ہتھیار قرآن ہے اور ان دونوں سطحوں پر کسی منظم جماعت کا ہونا لازمی نہیں' لیکن تیسری منزل کے لئے لازم ہے ایک ایسی منظم جماعت وجود میں آئے جو اس دعوت کی بنیاد پر قائم ہوئی ہو۔ یہ نہیں کہ قومی بنیاد پر کوئی گروہ منظم ہو جائے اور قومی سطح پر کوئی جدّوجُہد شروع ہو جائے۔ بلکہ جو لوگ بندگیٔ رب اور شہادت علی الناس کی دعوت شعوری طور پر قبول کر کے آئیں ان پر مشتمل ایک منظم

جماعت کا ہونا ضروری ہے۔ جس طرح نماز کے لئے وضو شرط ہے ایسے ہی اقامت دین کے لئے ایک منظم جماعت کا ہونا شرطِ لازم ہے۔ وہ جماعت ایسے لوگوں کی ہو جنہوں نے اسلام اور ایمان کو شعوری طور پر قبول کیا ہو' جو اپنے نفس سے جہاد کی منزل سر کر کے آئے ہوں اور اپنے نفس کو اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام کے تابع کر چکے ہوں۔ ایسے لوگ منظم جماعت کی شکل میں جمع ہوں۔ یہ شرط اگر پوری نہیں ہوتی تو پھر وہ جہاد فی سبیل اللہ کی منزل نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ جہاد فی سبیل الحُریت یا کوئی اور جہاد ہو جسے جہاد فی سبیل اللہ کا نام دے دیا گیا ہو۔

جماعت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : ((یَدُ اللّٰہِ عَلَی الْجَمَاعَۃِ)) "اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے" اور ((عَلَیْکُمْ بِالْجَمَاعَۃِ)) "تم پر جماعت کی شکل میں رہنا فرض ہے"۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا :

((اِنَّہٗ لَا اِسْلَامَ اِلَّا بِجَمَاعَۃٍ وَلَا جَمَاعَۃَ اِلَّا بِاِمَارَۃٍ وَلَا اِمَارَۃَ اِلَّا بِطَاعَۃٍ)) (سنن الدارمی)

"یہ ایک حقیقت ہے کہ جماعت کے بغیر اسلام نہیں ہے' اور امارت کے بغیر جماعت نہیں ہے' اور امارت کا کوئی فائدہ نہیں اگر اس کے ساتھ اطاعت بھی نہ ہو۔"

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ پوری امت ایک جماعت ہے۔ اگر ایسا ہے تو پھر اس کا امام کون ہے؟ اگر امیر موجود نہیں ہے تو پھر جماعت نہیں ہے۔ علامہ اقبال' جو وحدتِ اُمت کے حدی خواں تھے' آخر کار انہیں اپنے خطبات میں یہ کہنا پڑا کہ اس وقت دنیا میں کوئی امت مسلمہ موجود نہیں ہے' بلکہ بہت سی مسلم اقوام موجود ہیں۔ اسی طرح آج ہم یہ کہیں گے کہ دنیا میں بہت سے مسلم ممالک ہیں اور مسلمان ملک ہونے کے ناطے ان کے حقوق ہیں۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر کچھ حقوق ہیں۔ یہ حقوق اپنی جگہ مسلم ہیں' لیکن دنیا بھر کے مسلمان ایک جماعت تو نہیں ہیں۔ اس بارے میں حضرت عمرؓ نے دو ٹوک انداز میں فرما دیا تھا کہ : ((لَا جَمَاعَۃَ اِلَّا بِاِمَارَۃٍ)) یعنی "امارت کے بغیر کوئی جماعت نہیں"۔

اس موضوع پر ذروۂ سنام یہ حدیث ہے جو حضرت حارث اشعریؓ سے مروی

ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا :

((اِنِّیْ اٰمُرُکُمْ بِخَمْسٍ' اَللّٰہُ اَمَرَنِیْ بِھِنَّ' بِالْجَمَاعَۃِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ وَالْھِجْرَۃِ وَالْجِھَادِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ)) (مسند احمد' جامع ترمذی)

"اے مسلمانو! میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دے رہا ہوں' اللہ نے مجھے ان کا حکم دیا ہے : (۱) التزامِ جماعت (۲) سننا (۳) اطاعت کرنا (۴) ہجرت اور (۵) اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔"

یعنی جماعت بھی وہ مطلوب ہے جو سمع و طاعت (Listen and obey) والی ہو۔ یہ جماعت ہجرت و جہاد کے مراحل طے کرے گی۔ ہجرت کے ضمن میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا : ((اَیُّ الْھِجْرَۃِ اَفْضَلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ)) "اے اللہ کے رسولؐ! افضل ترین ہجرت کون سی ہے؟" فرمایا : ((اَنْ تَھْجُرَ مَا کَرِہَ رَبُّکَ)) "(افضل ترین ہجرت یہ ہے) کہ تم ہر اُس چیز کو چھوڑ دو جو اللہ کو پسند نہیں"۔ پوچھا گیا : (اَیُّ الْجِھَادِ اَفْضَلُ؟) افضل جہاد کونسا ہے؟ تو فرمایا : ((اَنْ تُجَاھِدَ نَفْسَکَ فِیْ طَاعَۃِ اللّٰہِ)) "(افضل جہاد یہ ہے) کہ تم اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرو اور اسے اللہ کی اطاعت کا خوگر بناؤ"۔ اس نکتہ پر ہجرت اور جہاد باہم جڑ جاتے ہیں۔ ہر اُس شے کو چھوڑ دینا جو اللہ کو ناپسند ہے اور اپنے نفس کو اللہ کے حکم کا تابع بنانے کی جدوجہد درحقیقت ایک ہی شے ہے۔ چنانچہ ہجرت اور جہاد ایک ہی تصویر کے دو رُخ ہیں۔ حرام شے کو چھوڑ دینا ہجرت ہے اور اپنے نفس کو اس بات کے لئے تیار کرنا اور اسے مجبور کرنا کہ وہ حرام کو چھوڑ دے' یہ جہاد ہے۔ اس سطح پر ہجرت اور جہاد دونوں ایک ہو جاتے ہیں ـــــ لیکن یہ تیسری منزل کا جہاد (جو خود تین درجات پر مشتمل ہے) جب اپنی بلند ترین چوٹی پر پہنچتا ہے تو اُس وقت اللہ کی خاطر اپنا گھر بار' خاندان سب کچھ چھوڑ کر دارالاسلام میں آ جانا ہجرت کہلاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی انقلابی جدوجہد میں یہ مرحلہ "ہجرتِ مدینہ" کی صورت میں آیا۔ ہجرت مدینہ مسلمانوں پر فرض تھی اور جنہوں نے ہجرت نہیں کی انہیں منافق قرار دیا گیا اور ان کے کوئی حقوق مسلمانوں پر نہیں رہے۔ مفہوم : ﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یُھَاجِرُوْا مَا لَکُمْ مِّنْ وَّلَایَتِھِمْ مِّنْ شَیْءٍ حَتّٰی یُھَاجِرُوْا﴾ (الانفال : ۷۲) "رہے وہ لوگ جو ایمان تو لے آئے مگر انہوں نے ہجرت نہیں کی تو اُن سے تمہارا ولایت کا کوئی تعلق نہیں ہے جب تک کہ وہ ہجرت نہ

کریں"۔ ہجرت کے بغیر تمہارا ان سے کوئی تعلق نہیں' ان کے کوئی حقوق اور ذمہ داری تم پر نہیں۔ تو یہ ہجرت لازم ہے۔ دوسری طرف جہاد فی سبیل اللہ کی بلند ترین منزل قتال ہے۔ اس طرح اُوپر جا کر یہ ہجرت اور جہاد ایک دوسرے سے مختلف ہو جائیں گے۔

اقامتِ دین کے مراحل

جہاد فی سبیل اللہ کی تیسری منزل یعنی "اقامت دین" کی جدوجہد کے لئے ایک منظم جماعت ناگزیر ہے۔ یہ جماعت دراصل اس جہاد کا نقطہ آغاز ہے۔ یہ جماعت ایسے افراد پر مشتمل ہونی چاہئے جو جہاد فی سبیل اللہ کی اولین منزل سے گزر کر آئے ہوں۔ یعنی اپنے نفس کے خلاف جہاد کر کے اسے اللہ کا مطیع بنا چکے ہوں۔ یہ جماعت اپنے کارکنوں کی مزید تربیت کرے گی۔ پھر یہ دوسری منزل کا جہاد یعنی دعوت و تبلیغ کا حق ادا کرے گی۔

۱۔ صبر محض : اس کے بعد یہ جماعت اب انقلابی مرحلے اقامت دین کے لئے اپنی جدوجہد کا آغاز کرے گی تو پہلا مرحلہ صبرِ محض (Passive Resistance) ہو گا' اس لئے کہ ماحول مخالفت کرے گا۔ پہلے زبانی اور پھر جسمانی طور پر تشدد کا نشانہ بنایا جائے گا' پاگل اور دیوانہ کہا جائے گا۔ آپ کو معلوم ہے یہ ساری باتیں رسول اللہ ﷺ سے کہی گئیں۔ حضور ﷺ کو مجنون' شاعر' ساحر اور مسحور کہا گیا۔ یہ بھی کہا گیا کہ انہوں نے ایک عجمی غلام گھر میں بند کیا ہوا ہے' اس سے dictation لیتے ہیں' تورات اور انجیل کی باتیں اس سے سیکھتے ہیں اور ہم پر آ کر دھونس جماتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے وحی آئی ہے۔ حضور ﷺ کو یہ ساری باتیں سننی پڑیں۔ زبانی طور پر ایذا رسانی کے بعد پھر جسمانی تشدد کا دَور شروع ہوا۔ نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی کو بھی اس کا نشانہ بننا پڑا۔ خاص طور پر نوجوانوں اور غلاموں کو بدترین جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ غلاموں پر ان کے آقاؤں اور نوجوانوں پر ان کے بزرگوں کو حق حاصل تھا کہ جو چاہیں کریں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خاندان بنی امیہ کے چشم و چراغ تھے۔ ان کے چچا نے انہیں چٹائی کے اندر لپیٹ کر دھواں دے دیا' جس سے آپؓ کا دم گھٹنے لگا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی ماں نے مرن برت رکھ لیا۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ برہنہ کر کے گھر سے نکال دیئے گئے۔ حضرت عثمانؓ نے اسی لئے اپنی زوجہ محترمہ (حضورؐ کی صاحبزادی) کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ غلاموں کے ساتھ جو معاملہ ہو رہا تھا وہ سب کو معلوم ہے۔ لیکن اُس دَور میں

حکم تھا کہ "کُفُّوْا اَیْدِیَکُمْ" یعنی اپنے ہاتھ روکے رکھو۔ اس لئے کہ تمہیں ابھی وقت چاہئے۔ ابھی تم تھوڑے ہو اور تمہارا Base بڑا محدود ہے' تم اگر اس حالت میں مزاحمت کرو گے تو کچل دیئے جاؤ گے۔ تمہیں ابھی وقت چاہئے اور اس وقت کے لئے صبر کرو' اپنے ہاتھ روکے رکھو' چاہے تمہارے ٹکڑے اڑا دیئے جائیں یا زندہ بھون دیا جائے۔ اپنے دفاع میں بھی ہاتھ مت اٹھاؤ۔ یہ صبر محض ہے۔ مکی دَور میں کم از کم آٹھ برس تک یہ مرحلہ جاری رہا۔ ابتدائی چار سال اس مرحلے میں شامل نہیں تھے' بلکہ جسمانی تشدد کا آغاز چوتھے سال سے ہوا ہے۔ چنانچہ پورے آٹھ یا نو برس تک کسی تشدد کا جواب نہیں دیا گیا اور ہاتھ بندھے رکھے گئے۔

انقلابی جدّوجُہد میں صبرِ محض کی حکمتِ عملی کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ معاشرے کی خاموش اکثریت (Silent Majority) کی ہمدردیاں ان انقلابی افراد کی طرف منعطف ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ امیّہ بن خلف نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اس طرح وحشیانہ طور پر مارا ہے کہ اس طرح حیوانوں کو بھی نہیں مارا جاتا۔ کیا بلالؓ نے کہیں چوری کر لی تھی یا اس کی بیٹی کی عزت پر ہاتھ ڈالا تھا؟ نہیں' وہ تو صرف یہ کہتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ خاموش اکثریت خاموش تو ہوتی ہے لیکن وہ اندھی یا بہری تو نہیں ہوتی' اگرچہ وہ بول نہیں سکتی کیونکہ اس میں اس کی ہمت و جرأت نہیں ہوتی کہ ظالم سے پوچھ سکے کہ کیا کر رہے ہو؟ لیکن وہ اندھی' بہری یا گونگی تو نہیں ہوتی۔ وہ دیکھ اور سن رہی ہوتی ہے۔ نتیجتاً ان کی ہمدردیاں اندر ہی اندر انقلابی جماعت کے افراد کے ساتھ ہو جاتی ہیں۔ ع "جو دلوں کو فتح کرے وہی فاتح زمانہ!" کسی انقلابی جدوجہد میں Passive Resistance کا دَور انتہائی مؤثر اور فیصلہ کن ہوتا ہے اور آئندہ کی کامیابیوں کی ضمانت یہیں سے ملتی ہے۔

۲۔ اقدام : اگلے مرحلے میں اس انقلابی جماعت کی قیادت جب یہ محسوس کرے کہ اب ہم مضبوط ہیں' ہماری تعداد بھی کافی ہے' کارکنوں کی تربیت بھی صحیح ہوئی ہے' انہوں نے اپنے نفس کو قابو میں کر لیا ہے' ان کی نیتیں بالکل خالص ہو چکی ہیں' ان کی جدوجہد خالصتاً لوجہ اللہ ہے اور وہ ﴿یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ﴾ کا مصداق بن چکے ہیں' ان کی کیفیت یہ بن گئی ہے کہ وہ منظم ہیں' سمع وطاعت پر کاربند ہو

چکے ہیں اور بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لئے تیار ہیں' تو اب اقدام کیا جائے اور آگے بڑھ کر اس نظامِ باطل کو چھیڑا جائے۔ چھیڑنے کے بہت سے طریقے ہو سکتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی تجارتی شاہراہ کو' جس پر ان کے قافلے آتے جاتے تھے' مخدوش بنا دیا اور اس طرح ان کی معاشی ناکہ بندی کی۔ دوسری طرف ان کی سیاسی ناکہ بندی کا انتظام اس طرح فرمایا کہ آپؐ نے مختلف قبائل سے معاہدے شروع کر دیئے۔ چنانچہ وہ قبائل جو پہلے قریش کے حلیف تھے اب یا تو حضور ﷺ کے حلیف ہو گئے یا پھر غیر جانبدار ہو گئے کہ ہم نہ ان کا ساتھ دیں گے نہ آپ کا ساتھ دیں گے۔ اس کے نتیجے میں رسول اللہ ﷺ کے سیاسی اثر و رسوخ کا دائرہ بڑھتا گیا اور قریش کا دائرہ گھٹتا رہا۔ میں سمجھتا ہوں کہ قریش کی طرف سے تنگ آمد بجنگ آمد کا معاملہ ہوا ہے کہ غزوۂ بدر کے موقع پر ان کا ایک ہزار کا لشکر نکلا ہے۔ اس معاملے میں پہل یقیناً رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ہی ہوئی تھی۔ اس لئے کہ جو اللہ کے دین کو غالب کرنا چاہتے ہیں ان کا کام ہے کہ وہ باطل کو چھیڑیں گے' کیونکہ وہ باطل سے ٹکر لینا چاہتے ہیں۔ وہ اس درخت کو جڑ سے اکھیڑنا چاہتے ہیں' لہٰذا اسے ہلانا شروع کریں گے۔ جب ہی تو اس کا امکان ہو گا کہ اسے اکھیڑا جا سکے۔

اب یہ باتیں واضح طور پر سامنے آنی چاہئیں۔ اب علامہ شبلی اور ان سے پہلے کا زمانہ گزر گیا جب ہمارے سیرت نگاروں کو اہل یورپ کے سامنے معذرت خواہانہ انداز اختیار کرنا پڑتا تھا۔ مغرب کی طرف سے جہاد اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈا کیا جاتا تھا اور یہ کہا جاتا تھا کہ ع "بوئے خون آتی ہے اس قوم کے افسانوں سے!" اور یہ کہ اسلام کی ساری تبلیغ تلوار سے ہوئی ہے۔ اس پر ہمارے علماء کا انداز یہ ہوتا تھا کہ نہیں نہیں' حضور ﷺ نے جنگ شروع نہیں کی' بلکہ جنگ ان پر ٹھونسی گئی تھی' آپ نے تو مدافعانہ جنگ کی تھی۔ حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ اللہ کا دین تو غالب ہونے کے لئے آیا تھا اور رسول اللہ ﷺ اسے غالب کرنے کے لئے مبعوث فرما گئے تھے۔ "اَلْحَقُّ یَعْلُوْا وَلَا یُعْلٰی عَلَیْہِ" (حق غالب ہو کر رہتا ہے' اسے مغلوب نہیں کیا جا سکتا۔) جب تک طاقت موجود نہیں اس وقت تک تو باطل کے غلبے کو برداشت کرنا پڑے گا' لیکن طاقت ہونے کے باوجود آپ باطل کے غلبے کو برداشت کر لیں تو آپ کے دین و ایمان کی نفی ہو جائے گی۔ اس حوالے سے جان لیجئے کہ صبرِ محض (Passive Resistance) کے بعد اقدام

(Active Resistance) درحقیقت تیسری منزل کے جہاد کا دوسرا مرحلہ ہے۔

۳۔ تصادم : جب آپ نے نظامِ باطل کو چھیڑ لیا اور ان کے مفادات پر جب ضرب پڑی تو وہ اٹھیں گے اور اپنے نظام کا دفاع کریں گے۔ چنانچہ وہ پوری قوت کے ساتھ آپ پر حملہ آور ہوں گے اور پھر بالفعل تصادم (Conflict) ہوگا۔

اس تصادم کی دو شکلیں ہیں۔ ایک شکل وہ ہے جو ہمیں سیرت نبویؐ میں نظر آتی ہے۔ یہ قتال فی سبیل اللہ تھا' جس کے لئے حکم دیا گیا : ﴿ وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ ﴾ (البقرۃ : ۱۹۰) "اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں۔" اور فرمایا : ﴿ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا ﴾ (الحج : ۳۹) "اجازت دے دی گئی ہے ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جارہی ہے' کیونکہ وہ مظلوم ہیں"۔ اور فرمایا : ﴿ وَقٰتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰہِ ﴾ (البقرۃ : ۱۹۳) "اور تم ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لئے ہو جائے"۔ اور آخری بار فرمایا : ﴿ وَقَاتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ ﴾ (الانفال : ۳۹) "اور تم ان سے جنگ کرتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورے کا پورا اللہ کے لئے ہو جائے"۔ یعنی پورا نظام اللہ کی حاکمیت کے تابع ہو جائے۔ اس میں پھر وہ مقامِ محبوبیت ہے جس کا ذکر سورۃ الصف میں ہے۔ فرمایا : ﴿ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ ﴾ "اللہ کو تو محبت اپنے ان بندوں سے ہے جو اس کی راہ میں جنگ کرتے ہیں صفیں باندھ کر گویا کہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں"۔ علامہ اقبال نے یہیں سے یہ اسلوب مستعار لیا ہے ؎

محبت مجھے اُن جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند!

یہ بلند ترین مقام ہے' جس کے بارے میں اقبال نے کہا ہے ؎

مقامِ بندگی دیگر ' مقامِ عاشقی دیگر
ز نوری سجدہ می خواہی ز خاکی بیش ازاں خواہی
چناں خود را نگہداری کہ با ایں بے نیازی ہا
شہادت بر وجودِ خود ز خونِ دوستاں خواہی!

مقامِ بندگی اور ہے' مقامِ عاشقی اور ہے۔ عاشق تو وہ ہے جو اللہ کے دین کے غلبے کے لئے میدان میں آئے اور اپنا تن من دھن لگا دے۔ اس کے اندر اللہ کے لئے وہ غیرت و حمیت ہے کہ وہ حق کو مغلوب نہیں دیکھ سکتا۔ جیسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا تھا : ((اَیُبَدَّلُ الدِّیْنُ وَاَنَا حَیٌّ؟)) "کیا دین میں تغیر و تبدل کیا جائے گا جبکہ میں ابھی زندہ ہوں؟" یعنی میرے جیتے جی ایسا نہیں ہو سکتا۔ مانعین زکوٰۃ کے خلاف قتال کے لئے اور کوئی نہیں نکلے گا تو میں تن تنہا نکلوں گا۔ یہ جذبہ درکار ہے ؎

مقامِ بندگی دیگر' مقامِ عاشقی دیگر
ز نوری سجدہ می خواہی' ز خاکی بیش ازاں خواہی!

اے اللہ! فرشتوں سے تو تجھے اطاعت ہی مطلوب ہے۔ چنانچہ فرشتوں نے یہی تو کہا تھا کہ ﴿ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ﴾ "آپ کی حمد و ثنا کے ساتھ تسبیح اور آپ کی تقدیس تو ہم کر ہی رہے ہیں"۔ ہم آپ کے احکام کی تعمیل کر رہے ہیں۔ لیکن اس خاکی انسان سے تجھے کچھ اور ہی مطلوب ہے ـــــ اور وہ کیا ہے؟

چناں خود را نگہداری کہ با ایں بے نیازی ہا
شہادت بر وجودِ خود ز خونِ دوستان خواہی

اپنی ذات کا تجھے اتنا احساس ہے کہ اگرچہ تو بے نیاز ہے' غنی ہے' مگر تو اپنے دوستوں کے خون سے چاہتا ہے کہ تیری توحید کی گواہی دی جائے۔ تیرے دوست اولیاء اللہ اپنے خون سے تیری گواہی دیں۔

بہرحال قتال فی سبیل اللہ دو طرفہ جنگ کی شکل ہے۔ اس کا ایک نقشہ سورۃ التوبہ کی آیت ۱۱۱ میں بیان کیا گیا ہے :

﴿ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۖ ﴾

"یقیناً اللہ نے اہل ایمان سے ان کی جانیں اور مال جنت کے عوض خرید لئے ہیں' وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں تو قتل کرتے بھی ہیں اور قتل ہوتے بھی ہیں۔"

موجودہ حالات میں مسلح تصادم کا متبادل

سیرت النبی ﷺ میں ہمیں تصادم کی جو صورت نظر آتی ہے وہ تو قتال یعنی دو طرفہ

جنگ ہی کی ہے۔ لیکن موجودہ حالات میں اس کی ایک یک طرفہ شکل بھی ہو سکتی ہے۔ اس کو ایک اجتہادی رائے سمجھ لیجئے۔ (میری تالیف "منہج انقلابِ نبویؐ" کا آخری باب اسی پر مشتمل ہے۔) ہمارے موجودہ حالات دَورِ نبویؐ کے حالات سے کئی اعتبارات سے مختلف ہیں۔ آج حکومتیں بہت طاقتور ہیں اور وہ باطل نظام کی محافظ ہیں۔ ملک میں اگر جاگیرداری نظام رائج ہے تو حکومت میں جاگیردار بیٹھے ہیں' سرمایہ داری نظام میں سرمایہ دار حکومت سنبھالے بیٹھے ہیں۔ اگر آپ نظام کو بدلنا چاہیں گے تو وہ لوگ چونکہ حکومت پر فائز ہیں اس لئے وہ اپنے تمام تر وسائل آپ کے خلاف استعمال کریں گے۔ حکومت پر فائز ہونے کے ناطے مسلح افواج' ایئر فورس' پولیس اور پیرا ملٹری فورسز ان کے اختیار میں ہیں' جبکہ عوام نہتے ہیں۔ اس لئے یہ مقابلہ اتنا غیر مساوی ہو گیا ہے کہ اس کے ساتھ قتال کا معاملہ قابل عمل نہیں ہے۔ تاہم نوٹ کیجئے کہ یہ بہرحال جائز ہے' جہاں بھی اس کے قابلِ عمل ہونے کا امکان ہو وہاں فاسق و فاجر حکمرانوں سے قتال کیا جا سکتا ہے۔ اس کو کسی نے حرام نہیں کیا۔ یہ تو غلام احمد قادیانی (لعنۃ اللہ علیہ) کا موقف ہے کہ "دین کے لئے حرام ہے اب دوستو قتال!" قتال جہاں قابلِ عمل (feasible) ہو گا لازماً کیا جائے گا۔ لیکن اگر اُدھر قوت اتنی ہے اور اِدھر عوام نہتے ہیں تو عوام کو اپنی طاقت کا اظہار عوامی سطح پر منظم مظاہروں کی صورت میں کرنا ہو گا اور حکومت کے خلاف ایک تحریک مزاحمت اٹھانا ہو گی۔ یہ تحریک عدم تشدد پر مبنی عدم تعاون اور سول نافرمانی کی تحریک ہو گی' جو بالآخر غیر مسلح بغاوت (Unarmed Revolt) کی صورت اختیار کرے گی۔ یہ غیر مسلح بغاوت یک طرفہ ہو گی' جس میں حصہ لینے والے خود جان دینے کے لئے تیار ہوں' لیکن کسی کی جان کے درپے نہ ہوں۔ قتال اگرچہ دو طرفہ معاملہ ہے لیکن اس میں بھی اصل شے تو اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں آنا ہوتا ہے۔ تو جو شخص اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے کے لئے میدان میں آ گیا ہے تو گویا کہ اس نے قتال کا تقاضا پورا کر دیا۔ قتال اگر یک طرفہ ہو اور غیر مسلح بغاوت کی صورت اختیار کرے تو اس میں حصہ لینے والوں کو پولیس اور فوج کی گولیوں کا نشانہ بننا پڑے گا' ان پر لاٹھی چارج ہو گا اور یہ جیلوں میں ٹھونسے جائیں گے۔ اگر لوگ اس کے لئے تیار ہو گئے ہیں تو گویا انہوں نے وہ شرط پوری کر دی ہے کہ وہ اپنے خون سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اللہ تعالیٰ کے نظام کی سربلندی کی

جدّوجہد کی گواہی دینے کو تیار ہیں۔ اس حوالے سے یہ سول نافرمانی اور غیر مسلح بغاوت "مسلح تصادم" (Armed Conflict) کا بدل ہے۔

مقتول فی سبیل اللہ کا مقام

قتال فی سبیل اللہ کے مقام کو سمجھنے کے لئے مسلم شریف کی ایک حدیث ملاحظہ کیجئے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهٖ نَفْسَهٗ مَاتَ عَلٰى شُعْبَةٍ مِنَ النِّفَاقِ))

"جو (مسلمان) اس حال میں مرا کہ نہ اس نے کبھی اللہ کی راہ میں جنگ کی اور نہ ہی اس کے دل میں اس کی آرزو پیدا ہوئی تو اس کی موت ایک طرح کے نفاق پر واقع ہوئی۔"

یہ تو ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کی زندگی میں یہ مرحلہ ہی نہ آئے، جیسے بعض صحابہؓ مکے میں فوت ہو گئے اور ان کی زندگی میں قتال کا مرحلہ ہی نہیں آیا، لیکن اس حدیث کی رو سے اللہ کے راستے میں قتال کی آرزو ہر مسلمان کے دل میں ہونا ضروری ہے۔

اللہ کے راستے میں قتال کرتے ہوئے اپنی جان قربان کر دینے کی آرزو خود رسول اللہ ﷺ کے دل میں کس درجے موجزن تھی اس کا اندازہ اس حدیث سے کیجئے۔ فرمایا :

((لَوَدِدْتُ اَنِّیْ اُقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ اُحْیَا ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْیَا ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْیَا ثُمَّ اُقْتَلُ)) (رواہ البخاری)

"میرے دل میں بڑی آرزو اور بڑی تمنا ہے کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں، پھر مجھے زندہ کیا جائے، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جائے، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر قتل کیا جاؤں۔"

اس حدیث میں چار مرتبہ "اُقْتَلُ" کا لفظ آیا ہے۔ یہ آرزو محمد رسول اللہ ﷺ کی ہے کہ میں اللہ کی راہ میں بار بار قتل کیا جاؤں۔ ہم میں سے ہر شخص کو سوچنے کی ضرورت ہے کہ اگر اس آرزو سے ہمارے سینے خالی ہوں تو ہمیں رسول اللہ ﷺ سے کیا نسبت ہے؟

مقتول فی سبیل اللہ کا مقام قرآن مجید میں بایں الفاظ بیان ہوا ہے :

﴿ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ﴾ (البقرۃ : ۱۵۴)

"اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ مت کہو۔"

﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ ﴾ (آل عمران : ۱۶۹)

"اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں انہیں مردہ نہ سمجھو' بلکہ وہ تو درحقیقت زندہ ہیں' اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں۔"

اللہ کی راہ میں قتل ہونے والا تو زندہ ہے۔ شہید کے لئے حساب کتاب کا مرحلہ نہیں ہے' وہ تو سیدھے جنت میں جائیں گے۔ اللہ کی راہ میں قتال کا یہ مقام ہے۔ یہ وہ شہادت ہے جو منزل پر منزل طے کرتی ہوئی چلی آ رہی ہے اور نویں منزل پر آ کر قتال فی سبیل اللہ کے مقام پر پہنچتی ہے۔ کچھ لوگ سیدھے چھلانگ لگا کر وہاں پہنچتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ جہاد فی سبیل اللہ اور قتال فی سبیل اللہ ہے۔

مقتول فی سبیل اللہ ہونے کی سعادت ان لوگوں کا نصیب ہے جو اللہ کی راہ میں قتال (دو طرفہ جنگ) کرتے ہیں' اور اس سعادت میں وہ لوگ بھی شریک ہیں جو یکطرفہ جنگ میں اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دیتے ہیں۔ جیسے حضرت یاسر اور حضرت سمیہ رضی اللہ عنہما اُس وقت قتل کر دیئے گئے جبکہ ابھی صبر محض (Passive Resistance) کا دَور تھا اور قتال کا مرحلہ ابھی نہیں آیا تھا' دو طرفہ جنگ ابھی شروع نہیں ہوئی تھی۔ دو طرفہ جنگ شروع ہونے کے بعد جنہوں نے مرتبہ شہادت حاصل کیا یا اس سے پہلے ہی مرتبہ شہادت پر فائز ہو گئے' یہ دونوں اس سعادت میں شامل ہو جائیں گے۔ بہرحال جہاد فی سبیل اللہ اور اس کی منزلوں کا ایک منظم جماعت کے بغیر کوئی تصور نہیں۔

نظم جماعت کی مسنون اساس : بیعتِ سمع وطاعت

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس منظم جماعت کی تنظیم کی بنیاد کیا ہو؟ اس کے لئے ہمیں جو مسنون' ماثور اور منصوص بنیاد ملتی ہے وہ بیعت سمع وطاعت ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنے ساتھیوں سے یہ بیعت لی' حالانکہ آپؐ اللہ کے رسول تھے اور جو بھی آپؐ پر ایمان لائے اس پر آپؐ کی اطاعت لازم تھی' لیکن پھر بھی آپؐ نے اُس وقت بیعت لی جبکہ قتال کا مرحلہ آنے والا تھا۔ سیرت النبی ﷺ میں ہمارے پاس اس کے علاوہ اور کوئی نظیر نہیں ہے۔ وہاں اصل جماعت تو اس بنیاد پر بن گئی تھی کہ اللہ کے رسول نے دعویٰ کیا کہ

میں اللہ کا رسول ہوں' جس نے یہ مان لیا وہ اُس جماعت میں شامل ہو گیا جو ﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ﴾ پر مشتمل تھی۔ جنہوں نے تسلیم کر لیا کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں' وہ آپؐ کی پیروی کریں گے' آپؐ کا حکم مانیں گے' آپؐ کی بات سنیں گے اور اس پر عمل کریں گے۔ لہٰذا وہاں آغاز میں بیعت کی ضرورت نہ تھی۔ چنانچہ آپؐ نے بیعت آخری مرحلے پر لی' لیکن ہمارے پاس تنظیم کی بنیاد کیلئے کوئی متبادل اساس نہ حدیث میں ہے نہ قرآن میں' اور نہ ہماری تیرہ سو برس کی تاریخ میں بیعت کے علاوہ کوئی بنیاد موجود ہے۔ اس کیلئے متفق علیہ روایت ہے جو حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے :

((بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ' وَالْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ وَعَلٰى اَثَرَةٍ عَلَيْنَا وَعَلٰى اَنْ لَّا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهٗ وَعَلٰى اَنْ نَّقُوْلَ بِالْحَقِّ اَيْنَمَا كُنَّا لَا نَخَافُ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ))

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : "ہم نے بیعت کی تھی اللہ کے رسول ﷺ سے اس بات پر کہ آپؐ کا ہر حکم سنیں گے اور مانیں گے' خواہ مشکل ہو خواہ آسانی ہو' خواہ ہماری طبیعتیں آمادہ ہوں خواہ ہمیں اپنی طبیعتوں پر جبر کرنا پڑے' خواہ آپ دوسروں کو ہم پر ترجیح دے دیں۔ جنہیں آپ امیر بنائیں گے یا ذمہ داری سونپیں گے ہم ان سے جھگڑیں گے نہیں (ان سے تعاون کریں گے اور ان کی اطاعت کریں گے)' جہاں بھی ہوں گے حق بات ضرور کہیں گے (اپنی رائے ضرور پیش کریں گے)۔ ہم اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ (اس خوف سے کہ لوگ ملامت کریں گے یا مذاق اڑائیں گے ہم اپنی زبان بند نہیں کریں گے۔)

یہ ہے حزب اللہ (یعنی اللہ کی پارٹی) جس کے بارے میں فرمایا گیا : ﴿ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾ (المجادلہ : ۲۲) نیز فرمایا : ﴿ فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ ﴾ (المائدۃ : ۵۶) گویا حزب اللہ سے دنیا میں غلبے کا بھی وعدہ ہے (اگر یہ شرائط پوری کی ہوئی ہوں) اور اس حزب اللہ سے آخرت کی فلاح کا وعدہ بھی ہے۔ سورۃ المجادلہ میں اس فلاح کا ذکر ہے اور سورۃ المائدہ میں غلبے کا ذکر ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے جو بیعت سمع و طاعت لی تھی وہ غیر مشروط اور مطلق تھی' لیکن

آپؐ کے بعد اس بیعت سمع و طاعت میں "فی المعروف" کا اضافہ ہو گا۔ اس لئے کہ حضور ﷺ کی اطاعت مطلق اطاعت تھی کہ جو حکم بھی آپ دیں گے اس کی بلاچون و چرا اطاعت کرنی ہو گی۔ اس لئے کہ آپؐ سے غلطی کا صدور ممکن نہیں' آپؐ معصوم ہیں اور جو کچھ آپؐ پر اللہ کی طرف سے وحی ہوتی ہے آپؐ وہی کچھ کرتے اور کہتے تھے۔ از روئے الفاظِ قرآنی :

﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ○ ﴾ (النجم : ۳' ۴)

"اور وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتے۔ یہ تو ایک وحی ہے جو ان پر کی جاتی ہے۔"

اگر کوئی دنیاوی تدبیر ہوتی تو اس میں حضور ﷺ ساتھیوں سے مشورہ لیتے۔ بعض مواقع پر ساتھی خود عرض کر دیتے کہ اگر آپ کی یہ رائے وحی پر مبنی ہے تو سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا' اور اگر یہ آپ کا ذاتی اجتہاد ہے تو ہمیں اس کے بارے میں کچھ عرض کرنے کی اجازت دیجئے۔ حضور ﷺ فرماتے کہ ہاں' اپنی رائے بیان کریں۔ لیکن جس بات کا آپؐ حکم فرما دیتے اس پر سب سر تسلیم خم کر دیتے' کیونکہ وہ تو ہر حال میں ماننا ہے۔ لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بھی یہ مقام نہیں ہے کہ وہ کہہ سکیں کہ میں جو حکم بھی دوں گا وہ ماننا پڑے گا۔ حضور ﷺ کے بعد اصول یہ ہو گا کہ کتاب و سنت کے دائرے کے اندر اندر حکم ہو گا تو وہ مانا جائے گا۔ اگر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے دائرے کے اندر اندر حکم دیا جائے گا تو ٹھیک ہے' اس سے باہر قابل قبول نہیں۔ اسلامی ریاست کا سیاسی نظام بھی بنے گا تو اسی دائرے کے اندر اندر' اور کوئی جماعتی نظام بنے گا تو وہ بھی اس دائرے کے اندر اندر۔ چنانچہ ہم نے تنظیم اسلامی میں شمولیت کے لئے جو حلف نامہ رکھا ہے وہ اسی حدیث پر مبنی ہے۔ لیکن اس میں "فی المعروف" کا اضافہ کیا گیا ہے۔ یعنی "اِنِّیْ اُبَایِعُكَ عَلَى السَّمْعِ وَ الطَّاعَةِ فِي الْمَعْرُوْفِ.....الخ

ظاہر بات ہے بیعت سمع و طاعت اُس جماعت کی بنیاد ہے جو اقامت دین کی سطح پر' یعنی تیسری منزل پر جہاد فی سبیل اللہ کا کام کرنا چاہے۔ جیسا کہ عرض کیا گیا' بیعت سمع و طاعت کا یہ نظام "منصوص" بھی ہے' یعنی قرآن و حدیث کی نص (text) سے ثابت ہے' "مسنون" بھی ہے' یعنی سنت نبویؐ سے ثابت ہے اور "ماثور" بھی ہے۔ امت کا اس پر

تعامل رہا ہے۔ تیرہ سو برس کی پوری مسلم تاریخ میں ہر اجتماعی کام شخصی بیعت کی بنیاد پر ہوا ہے۔ حضور ﷺ کے ہاتھ پر شخصی بیعت ہوئی' پھر ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پر شخصی بیعت ہوئی۔ اور جب خلافت غلط رُخ اختیار کر رہی تھی تو اس کا رُخ درست کرنے کے لئے حضرت حسین رضی اللہ عنہ میدان میں آئے تو ان کے ہاتھ پر بیعت کی گئی۔ یہ دوسری بات ہے کہ کوفیوں نے بیعت توڑ دی۔ اس کا کوئی وبال حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر نہیں ہے (معاذ اللہ)۔ عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما اٹھے تو ان کے ہاتھ پر بیعت کی گئی۔ پھر ہمارے ہاں خلافت نے ملوکیت کی شکل اختیار کر لی تو بھی بیعت کی بنیاد برقرار رہی۔ تصوف میں تزکیہ نفس کا سلسلہ شروع ہوا تو وہ بھی بیعت ارشاد ہی کی بنیاد پر چلا۔ پچھلی صدی میں نو آبادیاتی نظام کے خلاف عالم اسلام میں مزاحمت کی تحریکیں اٹھیں تو وہ سب بیعت کی بنیاد پر ہی تھیں۔ چاہے وہ سوڈان میں مہدی سوڈانی کی تحریک تھی' یا لیبیا میں سنوسی کی تحریک تھی' یا ہندوستان میں تحریکِ شہیدینؒ تھی۔

موجودہ دَور میں مغربی اثرات کے تحت بالعموم شخصی بیعت کی بجائے دستوری بیعت کا نظام اختیار کیا جاتا ہے۔ یعنی جماعت کا ایک دستور لکھا ہوا موجود ہے اور آپ کی بیعت اس دستور سے ہے کہ آپ اس دستور کی پابندی کریں گے اور اس دستور کی رو سے جو امیر ہو گا اسکی بات مانیں گے۔ یہ دستوری بیعت ہے' جسے مَیں جائز اور مباح سمجھتا ہوں' لیکن میرے نزدیک منصوص' مسنون اور ماثور شخصی بیعت اس دستوری بیعت سے بدرجہا بہتر ہے۔

دو اہم باتیں

اب آخری دو باتیں نوٹ کر لیجئے۔

۱۔ پہلی دو منزلوں کے جہاد کا جہاد فی سبیل اللہ ہونا اس شرط سے مشروط ہے کہ ہدف تیسری منزل ہو۔ اگر پیش نظر اقامت دین نہیں ہے تو پھر یہ چیزیں جہاد فی سبیل اللہ شمار نہیں ہوں گی۔ ہو سکتا ہے کہ پہلی منزل پر تزکیۂ نفس خانقاہی نظام بن کر رہ جائے اور بس تزکیہ اور تربیت کا یہی عمل نسلاً بعد نسلٍ چلتا رہے۔ اسی طرح اگر دعوت و تبلیغ کا ہدف بھی "اقامتِ دین" نہیں ہے تو پھر یہ بھی جہاد فی سبیل اللہ کے کھاتے میں شمار نہیں ہو گی۔ ع

آہ وہ تیر نیم کش جس کا نہ ہو کوئی ہدف!

لہٰذا آغاز ہی سے ہدف اقامت دین اور غلبۂ دین ہونا چاہئے۔ ابتدا ہی سے یہ ہدف سامنے رہنا چاہئے۔ اس لئے کہ ساری جدوجہد منزل بہ منزل اسی کے لئے ہو رہی ہے۔

۲۔ جب کوئی بندۂ مؤمن غلبہ طاغوت کے تحت زندگی گزار رہا ہو تو اس کی ترجیحات کیا ہونی چاہئیں؟ آج پوری کی پوری اُمّت کا حال یہ ہے کہ وہ طاغوت اور باطل کے غلبے کے تحت زندگی گزار رہی ہے' اِلّا ماشاء اللہ' کچھ Pockets ہیں جو اس سے مستثنیٰ ہیں۔ مثلاً آپ کہہ سکتے ہیں کہ افغانستان میں اسلامی حدود و تعزیرات کا نفاذ ہوا ہے یا کسی حد تک سعودی عرب' ایران اور سوڈان میں اپنے اپنے فقہی تصورات کے مطابق اسلامی قوانین نافذ کئے گئے ہیں' باقی پوری اُمّتِ مسلمہ طاغوت کے شکنجے میں ہے۔ چاہے سو فیصد مسلمان آبادی ہے لیکن نظام کافرانہ ہے۔ ایسی صورتحال میں قرآن کا فیصلہ یہ ہے کہ ﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ○ ..... فَاُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ ..... فَاُولٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ ﴾ یعنی جو اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی تو کافر ہیں..... وہی تو ظالم ہیں.... وہی تو فاسق (نافرمان) ہیں۔ بقول اقبال ؎

بُتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی!
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

اس حالت میں اگر اس طاغوت کا انکار نہیں ہے' اس سے شدید نفرت نہیں ہے' اس کے خلاف جہاد کا عزمِ مصمم نہیں ہے اور اللہ کے دین کے غلبے کی جدّوجہد کو اپنی زندگی کا مقصد نہیں بنایا گیا تو پھر یہ زندگی میرے نزدیک نفاق کی زندگی ہے۔ پھر اس باطل نظام کے تحت پھلنا' پھولنا' اپنی جائیدادیں بنانا اور کاروبار چمکانا جائز نہیں ہے۔ ایسی حالت میں بندۂ مؤمن اور کچھ نہ کرے لیکن Under pro test ضرور رہے' کیونکہ وہ مجبور ہے۔ وہ ان حالات میں ایک مجاہد کی حیثیت سے رہے اور مسلسل جہاد کرتا رہے۔ کم سے کم درجے میں اس نظام سے شدید نفرت تو ہو' اس کے ساتھ ہم آہنگی نہ ہو' اس نظام کی خدمت نہ کی جائے' اس کی چاکری نہ کی جائے' اس کے ساتھ مصالحت (Reconciliation) نہ ہو' بلکہ ایک جدّوجُہد ہو اور انسان یہ سمجھے کہ یہ میرے لئے فرض عین ہے۔ یہ جہاد بندۂ

مؤمن پر فرضِ عین ہے۔ اس جہاد کے بغیر نجات نہیں ہے اور اس جہاد کے بغیر ایمان نہیں ہے۔ یہی وہ جہاد ہے جس کے بارے میں محمدٌ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((اَلْجِهَادُ مَاضٍ مُنْذُ بَعَثَنِيَ اللّٰهُ اِلٰى اَنْ يُّقَاتِلَ آخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ الدَّجَّالَ))

"جہاد (فی سبیل اللہ) جاری ہے اُس دن سے لے کر جس دن اللہ نے مجھے مبعوث کیا تھا اور اس وقت تک جاری رہے گا جب میری امت کا آخری حصہ دجال کے ساتھ جنگ کرے گا۔"

چنانچہ نوٹ کیجئے' بارہ برس مکے میں جو جہاد ہوا وہ بھی جہاد فی سبیل اللہ تھا' قتال تو کہیں پندرہ برس بعد جا کر میدانِ بدر کے اندر ہوا ہے۔ پہلے جہاد حضور ﷺ نے تن تنہا کیا' پھر آپؐ پر ایمان لانے والے آپ کے ساتھیوں نے یہی جہاد کیا۔ بارہ برس صبر محض (Passive Resistance) میں گزرے ہیں تو اس دَوران بھی جہاد فی سبیل اللہ منزل بمنزل آگے بڑھتا رہا ہے اور پھر اقدام (Active Resistance) کا ایک دو سال کا عرصہ ہے اور پھر جا کر مسلح تصادم (Armed Conflict) یعنی قتال فی سبیل اللہ کا مرحلہ آیا ہے۔

بہرحال جہاد فی سبیل اللہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے جاری ہے اور اس وقت تک جاری رہے گا جب امت کا آخری حصہ دجال کے ساتھ جنگ کرے گا۔ دجال کے ساتھ جو جہاد ہو گا وہ جہاد کی آخری منزل یعنی قتال ہو گا۔ یہ ایک بہت بڑی جنگ ہو گی جسے حدیث میں "اَلْمَلْحَمَةُ الْعُظْمٰى" قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ مرحلہ بھی اب کوئی زیادہ دُور نہیں ہے' اس کے لئے عالمی سطح پر سٹیج تیار ہو رہا ہے اور اس کے لئے سارے عوامل دیکھنے والوں کو نظر آ رہے ہیں۔

یہ ہے جہادِ مسلسل' جُہدِ مسلسل' جہاد فی سبیل اللہ کی فرضیت اور لزوم' اس کی منزلیں' اس کے مراحل اور اس کے لوازم۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر کاربند رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اَقُوْلُ قَوْلِيْ هٰذَا وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِيْ وَلَكُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ

مسلمان کا طرزِ حیات

علامہ ابو بکر الجزائری کی شہرۂ آفاق تالیف

"منہاجُ المُسلم" کا اردو ترجمہ

مترجم : مولانا عطاء اللہ ساجد

کتاب العقائد

پہلا باب

اللہ تعالیٰ پر ایمان

عقائد کے بیان میں یہ فصل سب سے زیادہ اہمیت و عظمت کی حامل ہے' کیونکہ یہ ایک مسلمان کی زندگی کا مرکز و محور ہے' جس کے اثرات اس کی پوری زندگی پر محیط ہیں۔ اس طرح اس کی حیثیت ایک مسلم کے نظامِ حیات کی اصل اور بنیاد کی سی ہے۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان

مسلمان اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے۔ یعنی وہ اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے' وہ ارض و سماء کا خالق ہے' ظاہر اور پوشیدہ کا علم رکھتا ہے' ہر شے کا رب اور مالک ہے' اس کے سوا نہ کوئی معبودِ برحق ہے نہ کوئی رب ہے' وہ ہر صفتِ کمال سے متصف ہے اور ہر عیب و نقص سے پاک ہے۔

اس امر کی دلیل اولاً تو وہ ہدایت ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہلِ ایمان کو نصیب ہوئی ہے[1] اور ثانیاً وہ نقلی اور عقلی دلائل جو ذیل میں پیش کئے جا رہے ہیں :

○ نقلی دلائل

۱ ۔ اللہ عزّوجل نے قرآن مجید میں خود اپنی موجودگی کی خبر دی ہے اور بتایا ہے کہ

---

(۱) جیسا کہ قرآن مجید میں ہے : ﴿وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ﴾ "اور ہم ہدایت نہیں پا سکتے تھے اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت نہ دیتا"۔ (الاعراف : ۴۳)

وہ تمام مخلوقات کا رب ہے اور اُس نے اپنی دیگر صفاتِ مقدّسہ اور اسمائے حسنٰی سے بھی متعارف فرمایا ہے۔ مثلاً ارشاد ہے :

﴿ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ قف يُغْشِى الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا لا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ بِاَمْرِهٖ ط اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ط تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ○ ﴾ (الاعراف : ۵۴)

''تمہارا رب تو یقیناً وہ اللہ ہے جس نے چھ دن میں آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا' پھر عرش پر مستوی ہوا۔ وہ دن پر رات کا پردہ ڈال دیتا ہے جو اس کا تیزی سے تعاقب کرتی ہے اور سورج' چاند اور ستاروں کو (پیدا کیا) جو اس کے حکم سے مسخر ہیں۔ خبردار! پیدا کرنا اور حکم دینا اسی کا کام ہے' برکتوں والا ہے اللہ جو جہانوں کا رب ہے۔''

اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے ارضِ مبارکہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تو فرمایا :

﴿ ... يٰمُوْسٰى اِنِّىْ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ○ ﴾ (القصص : ۳۰)

''...اے موسیٰ میں اللہ ہوں' جہانوں کا رب!''

نیز فرمایا :

﴿ اِنَّنِىْ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِىْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ○ ﴾ (طٰهٰ : ۱۴)

''یقیناً میں ہی اللہ ہوں' میرے سوا کوئی معبود نہیں' پس تو میری عبادت کر اور میری یاد کے لئے نماز قائم کر۔''

اس کے علاوہ اپنی عظمت کا اظہار فرماتے ہوئے اپنے اسمائے حسنٰی اور صفاتِ مقدّسہ کا اس طرح ذکر کیا :

﴿ هُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ج عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ج هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ○ هُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ج اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ط سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ○ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ط

يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ﴾

(الحشر : ٢٢-٢٤)

"وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں' پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والا' وہ نہایت مہربان بے حد رحم کرنے والا ہے۔ وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں' بادشاہ' پاک' سلامتی والا' امن دینے والا' نگرانی کرنے والا' غالب' کمی پوری کرنے والا' کبریائی والا' اللہ ان کے شرک سے پاک ہے۔ وہ اللہ ہے' بنانے والا' پیدا کرنے والا' صورت بنانے والا' بہترین نام اسی کے لئے ہیں' آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے اسی کی تسبیح بیان کرتا ہے' اور وہ غالب اور حکمت والا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف یوں فرمائی ہے :

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ ﴾

(الفاتحة : ١ - ٣)

"تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو جہانوں کا رب ہے' بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے' یومِ جزا کا مالک ہے۔"

اور ہم مسلمانوں کو مخاطب کرکے فرمایا :

﴿ اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ۝ ﴾

(الانبیاء : ٩٢)

"یقیناً تمہاری اُمّت ایک ہی اُمّت ہے اور میں تمہارا رب ہوں' پس تم میری عبادت کرو۔"

سورۃ المؤمنون کی آیت میں یہ الفاظ ہیں :

﴿ وَاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ۝ ﴾ (المؤمنون : ٥٢)

"اور میں تمہارا رب ہوں' پس مجھ سے ڈرو۔"

اِس خیال کی تردید کرتے ہوئے کہ اللہ کے سوا کوئی اور بھی رب ہو سکتا ہے یا زمین اور آسمان میں اللہ کے سوا کوئی اور بھی عبادت کا مستحق ہو سکتا ہے' ارشاد ہوا :

﴿ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ ﴾ (الانبیاء : ٢٢)

"اگر ان دونوں (زمین و آسمان) میں اللہ کے سوا اور بھی الٰہ ہوتے تو ان میں فساد برپا ہو جاتا۔ پس عرش کا مالک اللہ ان اوصاف سے پاک ہے جو یہ (کافر) بیان کرتے ہیں۔"

۲ ۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی اور رسول اس بات کی گواہی دے چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے اور وہ تمام جہانوں کا پالنے والا ہے' اسی نے ان سب کو پیدا کیا ہے اور وہی ان میں جس طرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے۔ ان انبیائے کرام علیہم السلام نے اللہ کی صفاتِ مبارکہ اور اسمائے حسنیٰ کے متعلق بھی بتایا۔ ان میں سے ہر نبی اور رسول کے دل میں اللہ تعالیٰ نے یہ یقین پیدا کر دیا تھا کہ اس پر نازل ہونے والا کلام اللہ کی وحی ہے۔ بعض انبیاء سے اللہ تعالیٰ نے براہ راست کلام فرمایا اور بعض کی طرف فرشتہ نازل کیا یا ان پر الہام کیا۔

اللہ کی مخلوق میں سے منتخب افراد کی اس قدر کثیر تعداد جب بالاتفاق ایک بات بتائے تو انسانی عقل یہ تصور بھی نہیں کر سکتی کہ انہوں نے ایک غلط بات پر باہم اتفاق کر لیا ہے اور ہمیں ایسی باتیں بتا رہے ہیں جن کے صحیح ہونے پر انہیں کامل یقین حاصل نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ مقدس افراد پاکباز ترین' سب سے بڑھ کر عقل و خرد کے حامل اور انتہائی صداقت مآب افراد تھے۔

۳ ۔ اربوں انسان اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی موجودگی پر ایمان رکھتے ہیں' اس کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔ انسان کی فطرت ہے کہ وہ ایک یا دو قابلِ اعتماد افراد کی دی ہوئی اطلاع پر بھی اعتماد کر لیتا ہے' چہ جائیکہ ایک جماعت بلکہ لاتعداد افراد وہ اطلاع دے رہے ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ عقل اور فطرت کی گواہی بھی موجود ہو کہ پیغمبر جو خبر دے رہے ہیں اور جس بات پر وہ یقین رکھتے ہیں وہ حق ہے۔

۴ ۔ لاکھوں علماء نے یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے اور اس کی فلاں فلاں صفات ہیں' اور وہ تمام مخلوقات کو پالنے والا ہے' ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ اس کی عبادت اور اطاعت کرتے ہیں' اپنی محبت و نفرت میں اور پسند و ناپسند میں اُسی کی رضا کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہیں۔

○ عقلی دلائل

۱ ۔ ان مختلف جہانوں کا وجود' اور بے شمار رنگا رنگ مخلوقات کی موجودگی اس بات پر شاہد ہے کہ ان کا کوئی خالق بھی ہے' اور وہ خالق اللہ تعالیٰ ہے' کیونکہ کوئی اور ہستی ان کی تخلیق کا دعویٰ نہیں رکھتی اور بغیر صانع کے ان کا پیدا ہو جانا عقل کے نزدیک محال ہے' بلکہ عقل تو کسی ادنیٰ چیز کے بھی بغیر صانع کے وجود میں آنے کو ممکن نہیں سمجھتی۔ مثلاً بغیر پکانے والے کے پکا پکایا کھانا اور بغیر کسی بچھانے والے کے بچھا ہوا بستر۔ تو پھر اس قدر عظیم کائنات کا وجود بغیر کسی خالق کے کس طرح ممکن ہے؟ یہ ناقابلِ یقین حد تک وسیع آسمان' اور سورج' چاند اور ستارے' جن کے حجم مختلف' فاصلے مختلف اور رفتاریں الگ الگ ہیں۔ اور یہ زمین اور اس میں بسنے والے انسان' جنات اور حیوانات' ان میں کس قدر تنوع اور رنگا رنگی پائی جاتی ہے۔ پھر انسانوں میں باہم رنگ اور زبان کا فرق ہے' عقل و فہم کے درجات میں تفاوت ہے اور ان کی ظاہری شکل و شباہت اور خصائص میں فرق ہے۔ پھر زمین میں موجود مختلف معدنیات جن کے رنگ روپ الگ الگ اور فوائد و استعمالات گوناگوں ہیں۔ زمین پر بہتے ہوئے دریا' اور برّاعظموں کو گھیرے ہوئے سمندر' اس میں اگنے والے طرح طرح کے درخت اور پودے' اور ان کے انواع و اقسام کے پھل اور میوے' ہر ایک کا رنگ روپ الگ' ذائقہ اور خوشبو جدا اور فوائد و خصائص مختلف ہیں ـــــ کیا یہ سب کچھ ایک عظیم اور مدبر خالق کا پتہ نہیں دیتا؟

۲ ۔ اللہ عزّوجل کا کلام مبارک جو ہمارے پاس موجود ہے' ہم اسے پڑھتے' سمجھتے اور اس کے نکات و معارف پر غور و فکر کرتے ہیں۔ وہ خود باری تعالیٰ کی موجودگی کی دلیل ہے' کیونکہ کلام کے لئے صاحبِ کلام کا وجود لازمی ہے۔

اور پھر یہ عظیم کلام تو محکم ترین شریعت اور بہترین قانون کا حامل ہے جس سے نوعِ انسانی کو بیش بہا فوائد حاصل ہوئے۔ اس میں ایسے سائنسی نظریات موجود ہیں جن کی صحت ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ اس میں بہت سے غیبی معاملات اور تاریخی واقعات مذکور ہیں جو صداقت کے اعلیٰ ترین معیار پر پورے اترتے ہیں۔ زمانہ کے تغیرات اور اختلافِ مکان سے اس کی شریعت کے کسی حکم کے فوائد کم نہیں ہوئے اور اس کے بیان کردہ علمی اور سائنسی نظریات میں سے کوئی معمولی سا نظریہ بھی ترمیم طلب

ثابت نہیں ہو سکا۔ غیبی امور جو مستقبل میں ظاہر ہونے والے تھے' وہ سب کے سب بعینہٖ اسی طرح واقع ہوئے جس طرح قرآن نے بیان کیا تھا۔ قرآن نے ماضی کے جو واقعات بالتفصیل یا اجمالاً بیان کئے کسی مؤرخ کو ان کی تردید یا انکار کی جرأت نہ ہو سکی۔

عقل کیلئے ممکن نہیں کہ وہ ایسے حکمت بھرے اور سچے کلام کو کسی انسان کی طرف منسوب کر سکے' کیونکہ وہ انسانی طاقت سے برتر اور انسانی علم و تجربہ سے کہیں بالاتر ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ وہ انسانی کلام نہیں تو پھر یقیناً وہ انسان کے خالق ہی کا کلام ہو سکتا ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کا وجود' اس کا علم اور اس کی حکمت و قدرت ثابت ہوتی ہے۔

۳ ۔ کائنات ایک پیچیدہ نظام رکھتی ہے' جس میں تخلیق و تکوین اور جاندار اشیاء کی نشوونما کے دقیق قوانین پائے جاتے ہیں۔ یہ تمام مخلوقات ان قوانین کی پابند ہیں' کسی حال میں ان سے نہیں نکل سکتیں۔ مثلاً انسان کی تخلیق رحمِ مادر میں ایک قطرہ پہنچنے سے شروع ہوتی ہے' پھر وہ ایسے عجیب و غریب مراحل سے گزرتا ہے جن میں اللہ کے سوا کسی کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اس کے بعد ایک مکمل انسانی فرد بن کر دنیا میں آجاتا ہے۔ یہاں بھی اسے مختلف مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ یعنی بچپن کے بعد لڑکپن گزار کر جوانی میں داخل ہوتا ہے' پھر جوانی ڈھل جاتی ہے اور وہ بوڑھا ہو جاتا ہے۔

انسان اور حیوان پر اثر انداز ہونے والے ان فطری قوانین سے نباتات اور درختوں کو بھی مفر نہیں' بلکہ اجرامِ سماوی' سورج' چاند' ستارے اور کہکشائیں سب اپنے اپنے قوانین کی پابندی پر مجبور ہیں اور ان سے نکلنے سے عاجز ہیں۔ اگر بفرضِ محال اس نظام میں خلل آجائے اور کچھ سیارے یا ستارے اپنا اپنا مدار چھوڑ کر اِدھر اُدھر ہو جائیں تو سب جہان تباہ ہو جائے اور زندگی صفحۂ وجود سے مٹ جائے۔

یہ اور اسی طرح کے دوسرے بہت سے عقلی' منطقی اور نقلی دلائل ہیں جن کی بناء پر ایک مسلمان اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے' اسے ہر چیز کا مالک و مربی مانتا ہے' اور اسے اولین و آخرین کا معبودِ حقیقی تسلیم کرتا ہے۔ ایک مسلمان کی پوری زندگی اور اس کے تمام معاملات کی بنیاد اسی ایمان و یقین پر استوار ہوتی ہے۔

(جاری ہے)

ایران میں افکارِ اقبال کا اثر

بسلسلۂ علّامہ اقبال اور مسلمانانِ عجم (۲۲)

ڈاکٹر ابو معاذ

علّامہ اقبال اور ایران کے مذہبی حلقے

پاکستان اور علامہ اقبال کا پیغام جناب آیت اللہ بروجردی (مرجع تقلید) اور آیت اللہ کاشانی تک ڈاکٹر عرفانی نے ابتداء ہی میں پہنچادیا تھا۔ قیامِ پاکستان کے فوراً بعد قم سے مشہور مذہبی رہنما علامہ فیض نے ایک کتاب بھی پاکستان کے بارے میں تحریر فرمادی تھی۔ اِن ایام میں ہندوستان کا پراپیگنڈا یہی تھا کہ مسلمانوں نے ہندوستان کے مرکز سے علیحدہ ہو کر دراصل غداری کا ارتکاب کیا ہے اور یہ بات کسی حد تک مذہبی حلقوں میں راسخ ہو چکی تھی، لیکن جب ان پر یہ پیغام واضح ہوا کہ دراصل برِّصغیر کے مسلمان قدیم ایرانی مبلغین کی مساعی کے باعث اسلامی تعلیمات سے بہرہ ور ہوئے تھے اور پھر ہندوؤں نے برِّصغیر کے ابتدائی دَور کے مسلمانوں کے خلاف اپنے شدید ردِ عمل کا اظہار کیا تھا تو ایرانی علماء کے شکوک و شبہات ختم ہوتے چلے گئے۔ بے شمار مذہبی محفلوں میں جب علامہ اقبال کے وہ اشعار پہنچے جن میں حضرت فاطمہ الزہراؓ، حضرت علیؓ اور امام حسینؓ کی تعریف کی گئی ہے تو ان کی بازگشت لاتعداد مذہبی مقامات پر سنائی دینے لگی اور یہ اشعار مختلف مجالس میں دہرائے جانے لگے۔ ہرچند کہ ڈاکٹر شریعتی نے ۱۹۷۳ء میں جب حسینیہ ارشاد میں علامہ اقبال پر ہفت روزہ سیمینار کا انعقاد کیا تو جناب شریعتی کی پُرخلوص کوششوں کی علماء کے ایک مخصوص تنگ نظر گروہ کی جانب سے اس لئے بھی مخالفت کی گئی کہ انہوں نے ایران میں ایک سُنّی مفکر (اقبال) کے پیغام کی اشاعت کی ہے جس نے بقول ان کے اہلِ

بیت کی توہین کی ہے' لیکن جب اقبال کا صحیح پیغام ان تک پہنچا تو ان کے شکوک و شبہات بھی بتدریج رفع ہوتے چلے گئے۔ یہ امر باعثِ مسرت ہے کہ ایران کے موجودہ مذہبی رہنما آیت اللہ علی خامنائی علامہ اقبال کے زبردست مداح ہیں اور آپ کا قول ہے "ایران کا اسلامی انقلاب علامہ اقبال کا مرہونِ منت ہے"۔ جناب عرفانی کی یاد میں کچھ برس قبل حکومتِ ایران کی جانب سے لاہور میں ایک تقریب کا انعقاد ہوا جس میں راقم الحروف کو بھی تقریر کے لئے بلایا گیا' اس موقع پر تمام ایرانی زعماء نے حضرت خامنائی کے اس پیغام کو دہرایا۔ انقلاب کے بعد کے ایران کے سفر کے مواقع پر راقم الحروف کو ایران کے مذہبی حلقوں میں علامہ اقبال کے افکار و اشعار کی بے پناہ مقبولیت کا احساس ہوا اور معلوم ہوا کہ علامہ اقبال کے اشعار و افکار ایک مدت سے ایران کے تمام تر مذہبی حلقوں میں شیعہ و سُنّی تعصب سے بالاتر ہو کر ایک قدر مشترک کے طور پر اپنائے جا چکے ہیں۔

۱۹۵۰ء کی دہائی کے آغاز میں جناب عرفانی کی کتاب "رومیٔ عصر" کی اشاعت کے بعد قُم سے علامہ سعدی نے علامہ اقبال کے حالات زندگی اور افکار پر ایک کتاب تحریر فرمائی۔ اس کے بعد علامہ اقبال کی شاعری کا والہانہ ذکر مذہبی حلقوں میں بھی شروع ہو گیا۔ علامہ کی انقلابی روح نے ایران کے روشن فکر مذہبی رہنماؤں کو جذباتی حد تک متاثر کیا۔ علی خامنائی نے بطورِ صدر مملکت کئی مواقع پر علامہ اقبال کے ساتھ اپنی زبردست عقیدت کا والہانہ طور پر ذکر فرمایا اور جناب سروش عرفانی کے مطابق ایک موقع پر تو انہوں نے یہاں تک بر سرِ عام فرمایا کہ میں علامہ اقبال کا مرید ہوں۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ جملہ آپ مرجع تقلید اور ولایتِ فقیہہ کی پوزیشن میں ہوتے ہوئے تو نہیں کہہ سکتے' لیکن آپ کے ماضی کے ارشادات سے علامہ اقبال سے آپ کی عقیدت واضح ہوتی ہے۔ علامہ اقبال کے وہ خوبصورت اشعار جو اہلِ بیت کی شان میں کہے گئے ہیں ان سے کچھ ایسے لوگوں کو بھی علامہ اقبال کے پیغام کو قبول کرنے میں دقت نہیں ہوئی جو اقبال کے غیر شیعہ ہونے کے باعث کسی حد تک آپ سے نالاں ہو سکتے تھے۔ انقلاب سے پہلے اور انقلاب کے بعد انتہائی ذمہ دار مذہبی رہنماؤں نے علامہ اقبال کو بلا تخصیص مکمل یکجہتی کے ساتھ اپنا ہیرو

تسلیم کیا ہے اور اب بھی انہیں وہی حیثیت سرکاری طور پر دی جاتی ہے۔

جناب ڈاکٹر علی شریعتی

یہ امر باعثِ دلچسپی ہے کہ ۱۹۴۵ء میں جب جناب عرفانی کا مشہد میں بطور ثقافتی سفیر برطانوی ہند تقرر ہوا تو انہوں نے اسی برس وہاں پر "بزمِ اقبال" کی بنیاد رکھی۔ یہ دراصل علامہ اقبال کے افکار کی ترویج و اشاعت کی غرض سے قائم کی گئی ایران میں پہلی سوسائٹی تھی۔ اسی سوسائٹی کے زیر اہتمام اقبال کے اشعار کی رو سے ایران کے درخشاں مستقبل کی نوید دی جاتی رہی۔ علامہ اقبال کے ابتدائی مداحوں مثلاً ملک الشعراء بہار کا تعلق بھی مشہد سے ہی تھا۔ مشہد خراسان کا مرکز تھا اور خراسان کے بارے میں ہی ایک حدیثِ طیبہ میں آنحضور ﷺ نے احیائے اسلام کے آغاز کی نوید سنائی ہے۔ یہیں پر جناب تقی شریعتی نے ۱۹۵۲ء میں جناب طاہر احمد زادہ' جناب یداللہ اور جناب مہدی بازرگان کے ساتھ مل کر اسلامی محاذ کی بنیاد رکھی۔ یہ زمانہ جناب علی شریعتی کے لڑکپن کا زمانہ تھا' لہٰذا وہ ان تمام سرگرمیوں سے متأثر ہوئے۔ فرانس تشریف لے جانے سے پہلے آپ علامہ اقبال کے اشعار و افکار سے روشناس ہو چکے تھے۔ فرانس میں اپنے ڈاکٹریٹ کے تحقیقی کام میں بھی آپ نے علامہ اقبال کے افکار سے روشنی اور راہنمائی حاصل کی۔

وطن واپسی پر آپ سرزمین ایران میں علامہ اقبال کے افکار کے سب سے بڑے مبلغ بن گئے۔ آپ کی جملہ تحریروں میں استعمار اور سامراجیت کے خلاف جنگ' دینِ اسلام کی صحیح معنوں اور اصلی حالت میں ترویج' آنحضور ﷺ کی پیروی اور انبیاء کے طریق کار کے مطابق اشاعتِ حق و صداقت کی بابت جناب شریعتی کی تحریروں اور تقریروں میں ہمیں ہر مقام پر علامہ اقبال کے افکار کا پرتو ملتا ہے۔ آپ نے علامہ اقبال کے افکار کی روشنی میں ابتدائے آفرینش' رزمِ خیر و شر' غلامی کی موجودہ صورت' شہنشاہیت اور استبداد کی ہر قیمت پر مخالفت' اسلام سے نام نہاد مذہبی اور خانقاہی ٹھیکیداروں کی بالادستی کے خاتمے' اسلام کی صحیح اور سادہ صورت میں اشاعت' لوٹ کھسوٹ کے خاتمے اور کفار کی اسلام اور ملّتِ اسلامیہ کے خلاف کی جانے والی سازشوں کے مقابلہ میں اپنے

انقلابی افکار کی اشاعت فرمائی۔ آپ نے ایران پر چھائے ہوئے جبر و استبداد کے صدیوں پر محیط جمود کو توڑا' نوجوانوں کو اقبال کا شاہین بنا دیا اور عقابی روح بیدار کر کے انہیں آزادی کے فلک کی وسعتوں میں جرأتِ پرواز دی اور قوم میں ایک ایسی دینی روح پھونکی کہ ہزاروں برس سے قائم بادشاہت کے جملہ نقوش مٹتے ہوئے نظر آنے لگے۔ آپ نے "اقبال و ما" (اقبال اور ہم) لکھ کر علامہ اقبال کے انقلابی فکر کو متعارف کروایا۔ یہ امر باعثِ دلچسپی ہے کہ جناب ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ العالی نے بھی "علامہ اقبال اور ہم" کتاب لکھ کر قریباً قریباً انہی افکار کی انہی ایام میں اشاعت کی ہے مگر یہ کتاب لکھتے وقت آپ کو جناب شریعتی کی کتاب کا علم نہیں تھا۔ اس مشترکہ آواز کا دراصل سرچشمہ کہیں اور ہی ہے اور صدائے حق ہم دلی کے باعث پھیلتی ہے۔ بقول مولانا رومؒ

خشک مغز و خشک تار و خشک پوست از کجا می آید این آوازِ دوست؟
(مغز بھی خشک' تار بھی خشک اور جلد بھی خشک' مگر پھر بھی اس ساز سے دوست کی آواز کہاں سے آ رہی ہے۔)

پس زبانِ محرمی خود دیگر است ہم دلی از ہم زبانی بہتر است
(آشنائی کی زبان کچھ اور ہی ہے اور ہم زبان ہونے سے ہمدلی کی کیفیت کہیں بہتر ہے)

اور بقول عرفانی

ہرچہ باشد حرف و گفتِ نارسا آشنا داند صدائے آشنا
(حرف اور گفتگو اگر ایک دوست سے دوسرے دوست تک نہ بھی پہنچ پائے پھر بھی آشنا بالآخر آشنا کی آواز کو پہچان لیتا ہے)

۱۹۷۳ء میں تہران میں جناب شریعتی نے تہران میں علامہ اقبال کے افکار کے بارے میں ہفتے بھر کے عرصے پر محیط ایک عظیم سیمینار کا انعقاد کروایا جس کی تمام غیر سرکاری حلقوں میں زبردست پذیرائی حاصل ہوئی اور تہران اور ایران کے پرجوش نوجوان علامہ اقبال کی انقلابی فکر سے متعارف ہوئے۔ اس سے پہلے اگرچہ ایران میں علامہ اقبال کا کلام کوچے کوچے میں پہنچ چکا تھا لیکن اس کی انقلابی جہت ابھی تک واضح نہیں ہوئی تھی اور نوجوانانِ عجم کی عقابی روح بیدار نہیں ہوئی تھی۔ جناب شریعتی نے

علامہ اقبال کو غزالیٔ ثانی قرار دیتے ہوئے آپ کے اشعار و افکار کو جوانانِ عجم کی زبان سے جاری و ساری کروا دیا۔ اس دلکش اور انقلابی تحریک کے قبل از انقلاب جذباتی مناظر کی تصویر آج بھی راقم الحروف کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ یہ جناب علی شریعتی کی تبلیغ کا اثر تھا کہ آپ کی شہادت کے دو ہی برس بعد مجھے ایران کے طول و عرض کے سفر میں سر بکف اور کفن پوش نوجوان ملتے رہے جن کی زبان پر علامہ اقبال کی یہ غزل تھی ؎

تیر و سنان و خنجر و شمشیرم آرزوست　　با من میا کہ مسلکِ شبیرم آرزوست

(مجھے تیر و سنان، خنجر اور تلوار کی آرزو ہے۔ میرے سامنے مت آنا کہ مجھے حضرت شبیر رضی اللہ عنہ کے مسلک کی آرزو ہے۔)

از بہرِ آشیانہ خس اندوزیم نگر　　باز این نگر کہ شعلۂ در گیرم آرزوست

(ایک آشیانہ بنانے کے لئے میرا تنکے چننے کا عمل دیکھ اور پھر یہ بھی دیکھ کہ اپنے دامن میں کتنے شعلوں کی آرزو لے کر آ رہا ہوں)

گفتند لب بہ بند و ز اسرارِ ما مگو　　گفتم کہ خیر نعرۂ تکبیرم آرزو است

(انہوں نے کہا کہ خاموش رہو اور ہمارے راز سرِعام مت کہو، میں نے کہا کہ خیر، مجھے نعرۂ تکبیر کی آرزو ہے۔)

گفتند ہرچہ در دلت آید زما بخواہ　　گفتم کہ بی حجابیٔ تقدیرم آرزوست

(انہوں نے کہا کہ تجھے جو کچھ چاہئے وہ ہم سے مانگ لو۔ میں نے کہا کہ مجھے اپنی تقدیر کی بے حجابی کی آرزو ہے۔)

از روز گارِ خویش ندانم جز این قدر　　خوابم ز یادِ رفتہ و تعبیرم آرزوست

(اپنے زمانے اور احوال۔ مجھے بس اتنا ہی علم ہے کہ وہ ایک خواب تھا جو بھول چکا، مگر مجھے تو اس کی تعبیر کی آرزو ہے۔)

کو آن نگاہِ ناز کہ اوّل دلم ربود　　عمرت دراز باد ہماں تیرم آرزوست

(وہ نگاہ ناز کہاں ہے کہ جس نے سب سے پہلے میرا دل اڑا لیا تھا۔ خدا تیری عمر دراز کرے، مجھے نگاہ کے اسی تیر کی آرزو ہے۔)

یہی آرزوئیں دل میں بسائے نعرۂ تکبیر لگاتے ہوئے اور قرآنی آیات کا مسلسل ورد

کرتے ہوئے ہزاروں جذباتی انقلابی نوجوان پہلوی استبداد کے جلائے ہوئے شعلوں میں خلیل اللہ کی طرح کود گئے مگر اس سفر سے پھر وہ کبھی واپس نہ آسکے۔

بنا کردند خوش رسمی بخاک و خون غلطیدن خدا رحمت کند این عاشقانِ پاک طینت را

(خاک و خون میں لوٹ پوٹ ہو کر ان شہداء نے ایک عظیم رسم قائم کردی۔ خدا ان پاک طینت عاشقوں پر رحمت نازل فرمائے۔)

ہر چند کہ جناب شریعتی کے ان خیالات کا احاطہ کرنا ناممکن ہے جو انہوں نے علامہ اقبال کی پیروی میں ایرانی قوم میں عام کئے' تاہم ایک عاجزانہ سی کوشش سہی کہ ان کی تحریروں سے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں :

علامہ اقبال کیا ہیں؟ وہ تو ایک باب ہیں اس کتاب کا جس کا دوسرا باب سید جمال الدین افغانی ہیں۔ اگر ہم ان دونوں کو پہچان لیں تو پھر اس کتاب کے مندرجات ہماری سمجھ میں آسکتے ہیں۔ یہ دونوں ہستیاں تو عنوان ہیں جبکہ متن (مضمون) ہم ہیں۔ ہم' ہماری سوچ' ہماری مشکلات' ہمارے مسائل اور ان کا حل۔ وہ اقبال ہی تھے جنہوں نے سید جمال الدین افغانی کے وحدتِ ملّتِ اسلامیہ کے تصور کو ایک جاندار فکری بنیاد مہیا کی۔

علامہ اقبال وہ روشن و منور چہرہ ہے جس نے عالمِ انسانیت کو اس عہد میں اسلام کی بار آور تہذیب و ثقافت کا تحفہ پیش کیا۔ اسلام نے زندگی کی تمام صورتوں اور گوشوں میں انسانی روح کا احترام نمایاں کیا ہے۔ دنیائے فانی میں انسانیت کی بہت سی عظیم شخصیات اسلام کی فکر کے باعث سامنے آئی ہیں۔ اقبال ہر چند کہ انہی میں شامل ہے لیکن ان میں ممتاز بھی ہے اور اقبال کا امتیاز یہی ہے کہ اس بلند و بالا اور بار آور درخت نے اُس وقت اپنا سر اُٹھایا جب اسلامی تہذیب و ثقافت کے گلستان پر خزاں کا دور دورہ تھا اور جب مغربی سامراج اور استعمار کے طوفانی تھپیڑے اسے ختم کرنے کے درپے تھے۔ اس شدید موسم اور نامساعد حالات میں اسی ویران اور خشک کھیتی میں ایک سروِ آزاد بلند ہوا جس کے وجود نے دوستوں اور دشمنوں کو محو حیرت کردیا۔

اسلام کی کشتِ ویران میں قیمتی بیج ایک سیلِ بلا سے خوف زدہ ہو کر چھپے ہوئے تھے اور اپنی موت کا انتظار کر رہے تھے۔ اس نے یہ پیغام دیا کہ ہماری اس ویران اور آفت

زدہ کھیتی کی گہرائیوں میں اب بھی اسلامی روح کا بیکراں اور متلاطم سمندر موجیں مار رہا ہے۔ اس نے یہ پیغام دیا کہ تم اپنی تہذیب کی زرخیز مٹی کو ذرا کھودو تو سہی اور اس زندگی بخش سمندر سے روح اور طاقت حاصل کرو۔ اس ویران اور بنجر کھیتی کو ایک بار پھر جنت میں بدل دو۔

یہی تو وہ اسلام کی محرک روح تھی جس نے عرب کے تپتے ہوئے صحراؤں میں زندگی کی برق دوڑا دی تھی اور پھر اس نے پچیس برسوں میں روم اور ایران کی استعماری زنجیروں کو توڑ کر رکھ دیا' شہنشاہوں' قیصروں' مغوں اور پادریوں کا جابرانہ تسلط ختم کر دیا۔ اقبال نے اپنی شاعری سے اس امر کا انکشاف کیا ہے کہ اس گئے گزرے دور میں بھی اسلام عظیم انسان پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے جو مغربی استعمار اور سامراج کے بے رحم شکنجوں میں جکڑی ہوئی ایک بے مایہ قوم کے ایک فرد کی صحیح تربیت کر کے اسے "اقبال" بنانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ میں وہ تمام جواہر مجتمع ہیں جن کی صورت ہمیں الہامی مذاہب میں ملتی ہے۔ وہ یہودیوں کے عقائد کے مطابق پائی جانے والی جباریت کا مظہر بھی ہے اور عیسائیوں کے خدا والی رحمانیت کا بھی۔ قرآن پاک میں تورات والی مدنیت بھی ہے اور انجیل والی روحانیت بھی۔ رسول خدا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ایک طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح آزادیوں اور حریت کے لئے لڑنے والے مجاہد ہیں تو دوسری طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح عشق و محبت کے مظہر۔ آنحضور ﷺ کی پیروی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بیک وقت ایک محنت کش' ایک سیاسی مدبّر' ایک فوجی جرنیل' ایک عارف' ایک خوش کلام مقرر اور تکالیف کو صبر و استقامت اور خاموشی سے برداشت کرنے والے جوانمرد بھی۔ علامہ اقبال میں بھی سنّتِ رسول ﷺ کی اتباع کرتے ہوئے اور حضرت علیؓ کی پیروی کرتے ہوئے ایسی خوبیاں پیدا ہو گئی تھیں۔

علامہ اقبال نے مغربی اور مشرقی علوم کو بدرجہ اتم حاصل کیا اور وہ ماضی کے گنبد سے باہر آ گئے۔ جدید علوم و افکار کا براہ راست مطالعہ کر کے وہ اس صدی کے عظیم انسان قرار پائے۔ آپ کے عقلی فلسفہ میں شعر کی چاشنی کی آمیزش ہو گئی۔ شعر کی لطافت اور

حسن نے ان کے پیغام کو دلکش بنا دیا۔ اسی طرح شاعرانہ رقت نے آپ کو فلسفیانہ فکر کی گہرائی سے خالی نہیں ہونے دیا۔ آپ کے مذہبی عقائد نے آپ میں تعصب پیدا نہیں ہونے دیا تو دوسری طرف آپ کی عقل و دانش نے آپ کے جذبہ ایمانی کو کمزور نہیں کیا۔ وہ برگسان کی طرح سوچتے' رومی کی طرح جذبات کے طوفان میں موج زن ہو جاتے اور جمال الدین افغانی کی طرح مسلم اقوام و ملل کی آزادی کی تڑپ دل میں بسائے سامراج کا مقابلہ کرتے تھے۔ آپ نے مارٹن لوتھر کی طرح عصرِ حاضر میں فکر اسلامی کی تجدید اور تشکیلِ نو کو اپنا نظریۂ حیات بنا رکھا تھا۔

آج کے دور میں ہمارے مغرب زدہ نام نہاد دانشوروں' خوفزدہ عوام اور قدیم و جدید علماء کے لئے علامہ اقبال کے شعر و فکر کا مطالعہ وقت کی شدید ترین ضرورت ہے۔ وہ لوگ جن کا مقصد عوام کی سادگی اور لاعلمی سے فائدہ اُٹھانا ہے وہ علم کی روشنی سے خوفزدہ ہیں اور علامہ اقبال کا نام سننے سے گھبراتے ہیں۔ انہیں یہ کھٹکا لگا ہوا ہے کہ مسلمان عوام ایک نہ ایک دن علامہ اقبال کو پہچان لیں گے اور پھر ان اجارہ داروں کے چنگل سے باہر نکل جائیں گے۔ یہی ان کے خوف کی اصل وجہ ہے۔

اسلام اِس دور میں بھی ماضی کی طرح اعلیٰ درجے کے عظیم افراد پیدا کرنے اور ان کی فطری صلاحیتوں کو جلا بخشنے کی قدرت رکھتا ہے اس کی زندہ مثال علامہ اقبال کی شخصیت ہے۔ عالمی سطح پر بھی اور مسلم معاشرے بالخصوص ایشیائی مسلم معاشرے یعنی ہندوستان' انڈونیشیا اور ملائیشیا جیسے ممالک میں بھی اقبال بیداری اور احیائے اسلام کی ایک بلند آہنگ پکار ہے جو اسلام دشمن سامراجیوں کے وجود پر ایک کاری ضرب کی حیثیت کی حامل ہے۔

جناب شریعتی کی زندگی کے آخری ایام میں آپ کی تقریر و تحریر پر علامہ اقبال کے اثرات گہرے ہوتے چلے گئے اور آپ کی پریشان روح نے ایران کے عروقِ مردہ میں بجلیاں دوڑا دیں۔ پھر ایک سیلاب اُٹھا اور اس سیلاب میں سب خشک و تر بہہ کے رہ گیا۔ علامہ اقبال کا مندرجہ ذیل انقلابی پیغام ایران نے سمجھ لیا۔

خاور ہمہ مانندِ غبارِ سرِ راہی است یک نالۂ خاموش و اثر باختہ آہی است

ہر ذرۂ این خاک گرہ خوردہ نگاہی است از ہند و سمرقند و عراق و ہمدان خیز

از خوابِ گران، خوابِ گران، خوابِ گران خیز!

از خوابِ گران خیز!!

(مشرق یعنی ایشیا کسی کاروان کے قدموں سے اُٹھنے والے راستے کے غبار کی مانند ہے۔ یہ ایک خاموش نالہ ہے اور ایسی آہ ہے جس کا اثر زائل ہو چکا ہے۔ اس کا ذرہ ذرہ دراصل ایک ایسی نظر ہے جو گرہ کھا کر مجسم ہو چکی ہے۔ ہندوستان، سمرقند، عراق اور ایران کے تاریخی شہر ہمدان کے لوگو اُٹھ پڑو۔ گہری نیند، گہری نیند، گہری نیند سے جاگ جاؤ۔ گہری نیند سے اُٹھ پڑو!)

این نکتہ کشایندۂ اسرارِ نہان است ملک است تنِ خاکی و دین روحِ روان است

تن زندہ و جان زندہ ز ربطِ تن و جان است با خرقہ و سجادہ و شمشیر و سنان خیز

از خوابِ گراں، خوابِ گراں، خوابِ گراں خیز!

از خوابِ گراں خیز!!

(یہ نکتہ دراصل چھپے ہوئے رازوں کو افشاء کرتا ہے کہ ملک ایک مٹی کا پتلا ہے اور اس کا روح رواں دین ہے۔ جسم اور جان دونوں کی زندگی دراصل جسم و جاں کے رابطے اور اتصال سے ممکن ہے، درویشی کی گدڑی (جائے نماز یا مسند ارشاد)، تلوار اور نیزے کے ہمراہ اُٹھ کھڑے ہو! گہری نیند، گہری نیند، گہری نیند سے جاگ جاؤ۔ گہری نیند سے اٹھ پڑو!)

(جاری ہے)

ضرورت رشتہ

صوم و صلوٰۃ اور پردہ کی پابند ۳۰ سالہ، بی اے، بی ایڈ، ایم اے انگلش لڑکی کے لئے تعلیم یافتہ سرکاری ملازم یا مستحکم کاروباری دینی ذہن کے مالک کا رشتہ مطلوب ہے۔

برائے رابطہ : پوسٹ بکس نمبر 8016 باغبانپورہ پوسٹ آفس لاہور

آنے والے دور کے بارے میں سالوں کے تعین کے ساتھ پیشینگوئیاں نہیں کی جاسکتیں

محمد عبدالمجید صدیقی کے نام ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ کا مکتوب

محترمی صدیقی صاحب، وعلیکم والسلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے مزاج بخیر ہوں گے۔ آپ کی تازہ تالیف "دنیا جنگوں کے دہانے پر" کا نسخہ بھی مل گیا تھا اور آپ کا گرامی نامہ بھی موصول ہوا۔ آپ نے اپنی اس تالیف کا انتساب مجھ سے کر کے میرا اکرام واعزاز کیا ہے، جس کے لئے تہہ دل سے ممنون ہوں۔

آپ نے مستقبل سے متعلق احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور موجودہ حالات کے شواہد و آثار کے حوالے سے جو مواد اپنی اس تالیف میں جمع کر دیا ہے، بہت قابل قدر ہے ـــــ بلکہ یہ کہنا ہرگز مبالغہ نہیں ہو گا کہ آپ نے اسے ان موضوعات پر انسائیکلوپیڈیا اور Reference Book بنا دیا ہے!

تاہم آپ نے جس تیقن کے ساتھ اور سالوں کے تعین کے ساتھ پیشینگوئیاں کی ہیں ان میں سے اکثر سے مجھے اختلاف ہے۔ سوائے اس سلسلۂ واقعات کی اوّلین کڑی یعنی حضرت مہدی کے منظر عام پر آنے سے متعلق رائے کے۔ چنانچہ خود میں نے اب سے چار پانچ سال قبل راولپنڈی میں اپنے ایک خطاب عام میں یہ عرض کر دیا تھا کہ میرے اندازے کے مطابق ان کی ولادت ہو چکی ہے اور ان کے ظہور کا وقت اب دور نہیں ہے۔ (واضح رہے کہ اُس وقت تک مجھے جین ڈکسن کی اس رائے کا کوئی علم نہیں تھا جو اس نے شرق اوسط میں ۱۹۶۲ء میں ایک انقلاب آفریں شخصیت کی پیدائش کے بارے میں دی تھی!) لیکن اس کے بعد کے واقعات کے ضمن میں آپ کا دیا ہوا ٹائم ٹیبل بالکل غلط ہے۔ حضرت مہدی کے سامنے آنے کے بعد جزیرہ نمائے عرب میں ان کی حکومت کے مستحکم ہونے میں بھی کئی سال لگیں گے اور ایک حدیث نبویؐ کے مطابق ان کی حکومت کے استحکام کے لئے فوجیں مشرق کی جانب سے آئیں گی۔ گویا عرب کے مشرق میں کسی ملک میں نظام خلافت نہ صرف قائم ہو چکا ہو گا بلکہ اتنا مستحکم بھی ہو چکا ہو گا کہ وہاں سے فوجیں عرب بھیجی جاسکیں ـــــ پھر "الملحمۃ العظمیٰ" سے "خروج دجال" تک کے زمانے کے ضمن میں آپ نے ترمذی اور ابوداؤد کی جس روایت پر انحصار کرتے ہوئے اپنا ٹائم ٹیبل مرتب کیا ہے مشکوٰۃ شریف میں اس سے بالکل متصل سنن ابی داؤد ہی کی ایک دوسری روایت موجود ہے جس میں ان دو واقعات کے مابین سات سال کے فصل کا ذکر ہے ـــــ اور امام ابوداؤدؒ کا یہ قول بھی ساتھ ہی موجود ہے کہ یہ روایت "اَصَحّ" ہے!

بہرحال احادیث نبویہؐ میں وارد شدہ واقعات و حوادث یقیناً شدنی ہیں، اور یہ بھی غلط نہیں کہ وہ اب زیادہ دور بھی نہیں ہیں ـــــ تاہم ان کے مابین ترتیب میں بھی ایک سے زیادہ آراء ممکن ہیں ـــــ اور ان کی سن وار تیقن کے ساتھ تعیین تو میرے نزدیک بہت بڑی جسارت ہے، ـــــ گستاخی کے لئے معذرت خواہ ہوں۔

فقط والسلام

خاکسار اسرار احمد عفی عنہ

KHALID TRADERS

IMPORTERS - INDENTORS - STOCKISTS &
SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS,
FROM SUPER - SMALL TO SUPER - LARGE

NATIONAL DISTRIBUTORS
NTN
BEARINGS

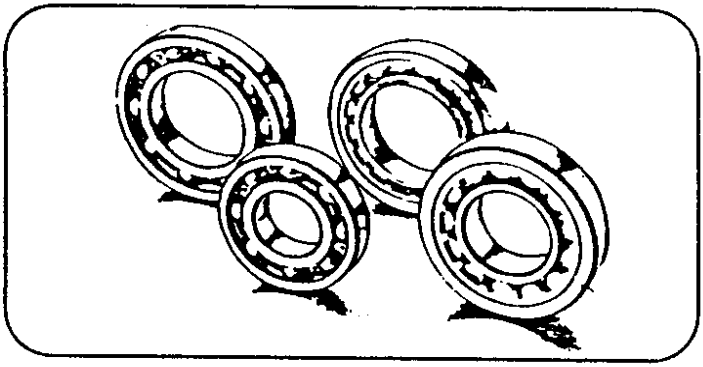

PLEASE CONTACT

Opp. K.M.C. Workshop, Nishtar Road, Karachi-74200, Pakistan.
G.P.O. Box #. 1178 ***Phones :*** 7732952 - 7730595 ***Fax :*** 7734776 - 7735883
E-mail : ktntn@poboxes.com

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : ***SIND BEARING AGENCY,*** 64 A-65
Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400(Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : 5 - Shahsawar Market, Rehaman Gali No. 4, 53-Nishtar Road, Lahore-54000, Pakistan. Phones: 7639618,7639718,7639818, Fax: (42) : 763-9918

GUJRANWALA: 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

ONTHLY
Meesaq
LHORE

Reg. No. CPL 125
Vol. 48 No. 11
Nov. 1999

صُوفی سن فلاور کوکنگ آئل
سُورج مُکھی کے اعلیٰ بیجوں سے تیّار کردہ

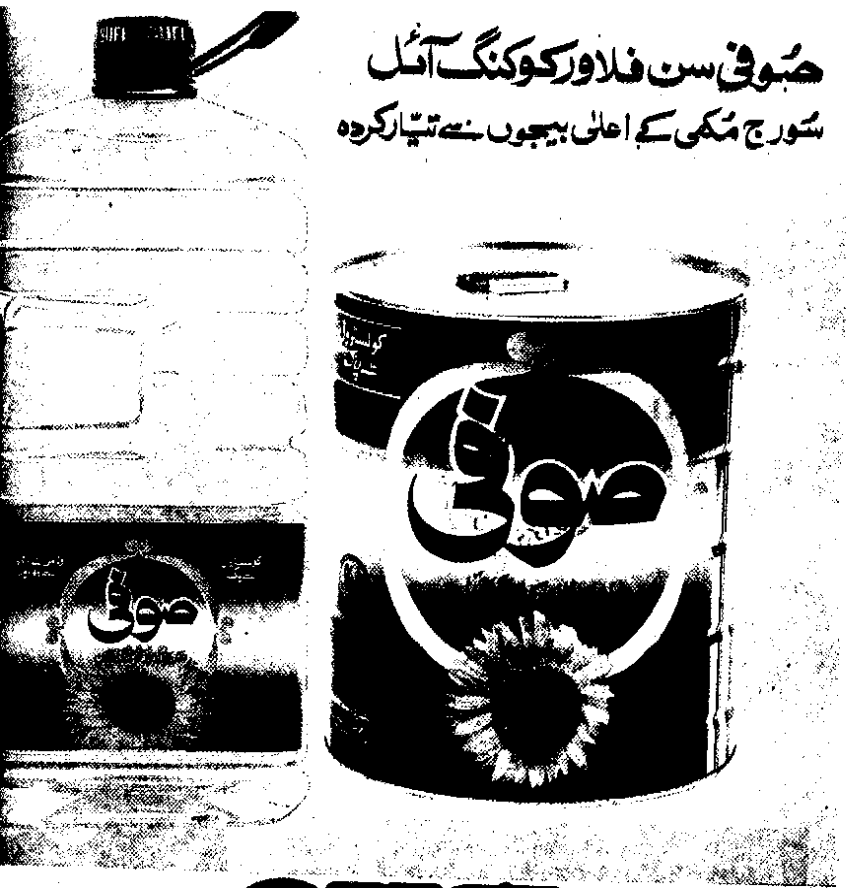

SUFI

صُوفی سوپ اینڈ کیمیکل انڈسٹریز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
حمزہ ویجیٹیبل آئل ریفائنری اینڈ گھی ملز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

Head Office: 39-Fleming Road, Lahore, Pakistan.
Tel: 7225447-7221068-7244951-3
Fax: 92-42-7239909 & 92-42-7311583